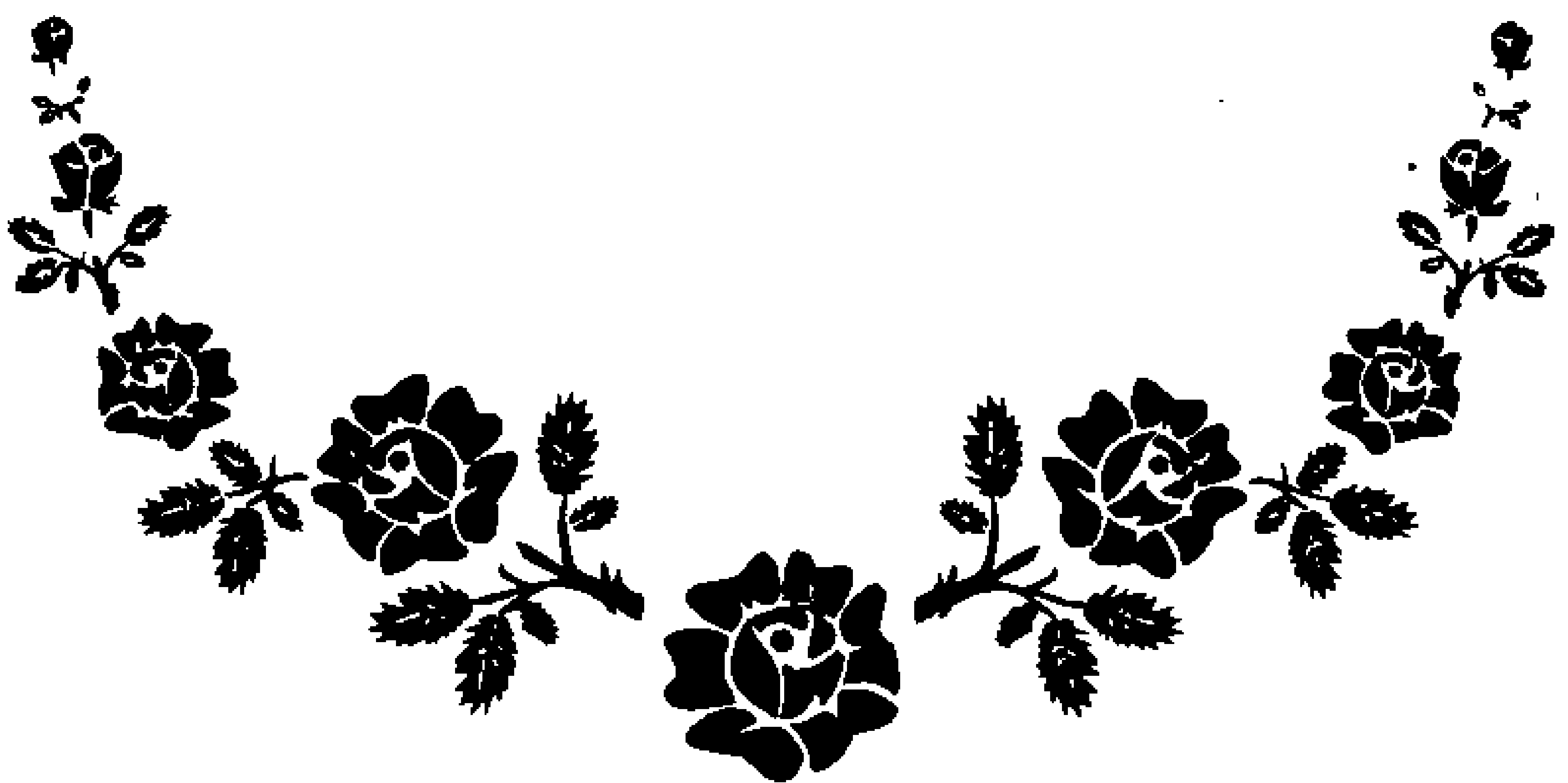

تذکرہ
خلفائے راشدین
حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ
حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ
حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
پیر سید ارتضیٰ علی کرمانی
کرمانوالہ بک شاپ




بسم اللہ الرحمٰن الرحیم




یا اللہ جل جلالہ
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
الصلوٰۃ والسلام علیک
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تذکرہ خلفائے راشدین

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق

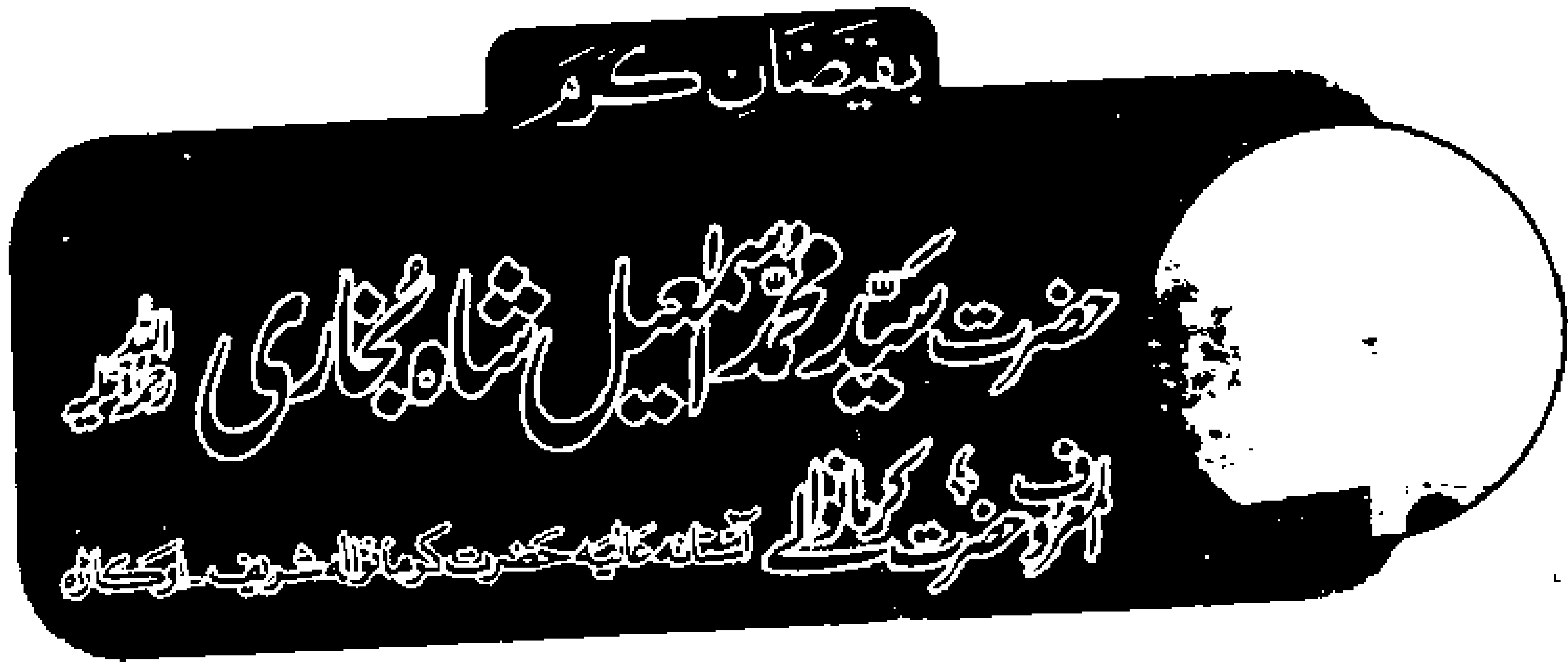
سیدنا حضرت فاروق اعظم

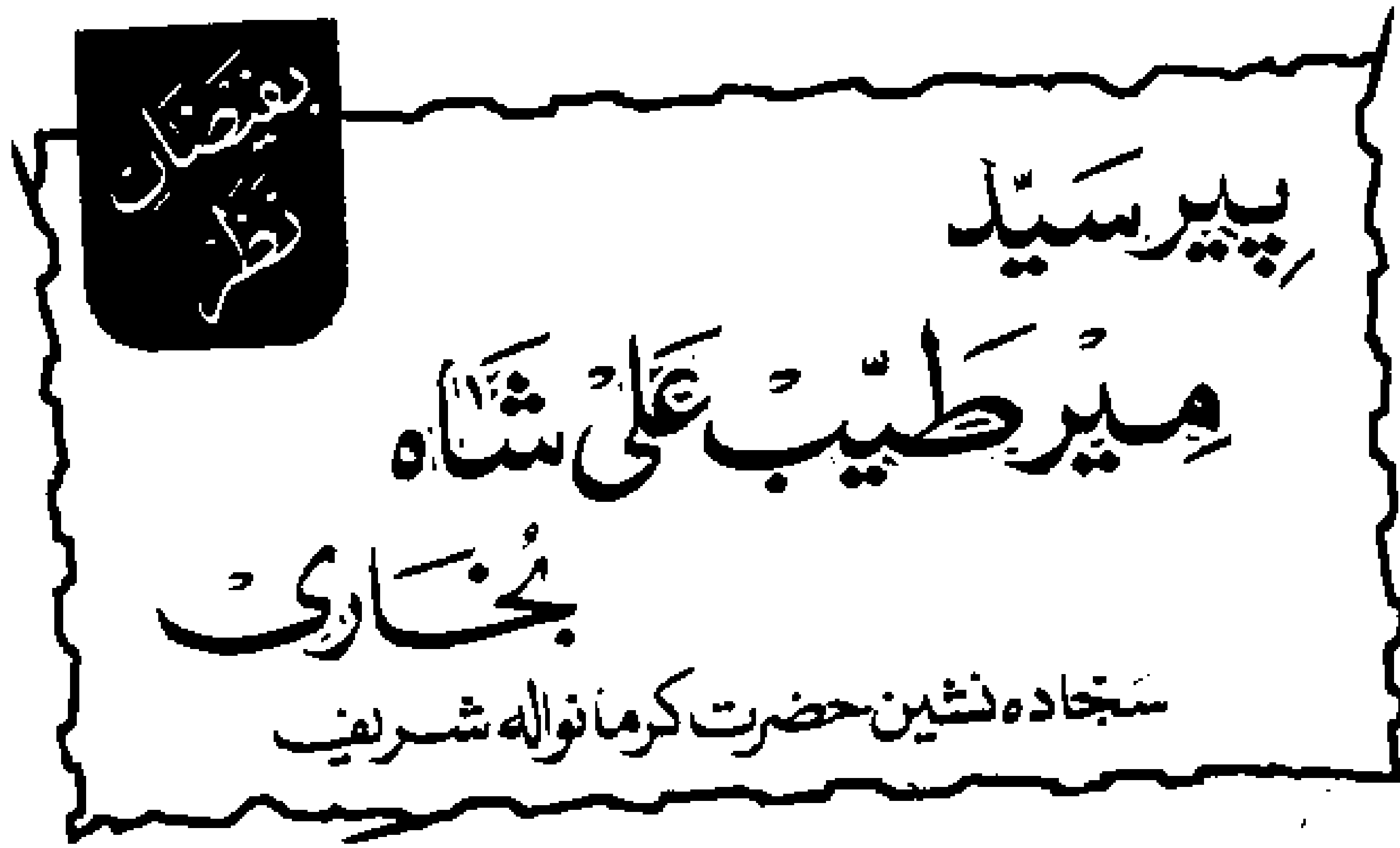
سیدنا حضرت عثمان غنی

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ

پیر سید ارتضیٰ علی کرمانی

کرمانوالہ بک شاپ
دوکان نمبر ۲۔ دربار مارکیٹ لاہور





قیمت 70 روپے

زیرِ اہتمام
سمیع اللہ برکت

باہتمام
حاجی انعام اللہ طیبی نقشبندی برکاتی

شائع اول
یکم اپریل 2004ء صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

فہرست مضامین

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
1	عرض ناشر	9
2	مقدمہ	10
3	دیباچہ	16
4	**سیدنا ابو بکر صدیق** رضی اللہ تعالیٰ عنہ	19
5	قبول اسلام	19
6	ولادت حضرت ابوبکر صدیقؓ	20
7	حلیہ مبارک اور حسب ونسب	21
8	تبلیغ صدیقؓ	23
9	ہجرت صدیقؓ	31
10	خلافت صدیق اکبرؓ	35
11	خطبہ صدیق اکبرؓ	35
12	لشکر اسامہ کی روانگی	40
13	فتنہ ارتداد کا خاتمہ	45
14	طلیحہ اسدی	48
15	سجاح اور مالک بن نویرہ کی سرکوبی	49
16	مسلیمہ کذاب کی سرکوبی	51
17	فتوحات	52
18	جہاد ایران	52

19	فتح جنگ ذات السلاسل	52
20	فتح جنگ لیس	53
21	عین التمر	54
22	فتح یرموک	54
23	عمال عہد صدیقؓ	56
24	اولاد اور ازواج	57
25	**سیدنا عمر بن خطاب فاروق اعظمؓ ۵۸۲ء تا ۶۴۴ء**	59
26	قبول اسلام	62
27	اسلام کی مخالفت	63
28	ہجرت فاروق اعظمؓ	70
29	خلافت فاروقیؓ ۶۳۴ء تا ۶۴۴ء	71
30	خطبہ خلافت	75
31	عمال کی تربیت و نگہداشت	79
32	عوام کے حالات سے خود آگاہی	84
33	یاساریہ الی الجبل	86
34	دریائے نیل	87
35	فتوحات	88
36	فتح شام ۱۵ء بمطابق ۶۳۵ء	88
37	ایک غلطی کا ازالہ	88
38	فتح دمشق	91
39	امان نامہ سیدنا خالدؓ بن ولید	92
40	فتح جنگ فحل	93

41	جنگ انطاکیہ سنہ ۱۵ء بمطابق سنہ ۶۳۵ء	94
42	فتح ایران سنہ ۲۱ء بمطابق سنہ ۶۴۲ء	95
43	فتح کیسکر	95
44	فتح جنگ قادسیہ سنہ ۱۴ء بمطابق سنہ ۶۳۵ء	96
45	فتح بیت المقدس	98
46	حضرت عمر فاروقؓ کا سفر بیت المقدس	99
47	عہد نامہ	100
48	فتح مصر سنہ ۲۰ء بمطابق سنہ ۶۴۱ء	102
49	جنگ بلبیس کی فتح سنہ ۱۸ء بمطابق سنہ ۶۳۹ء	103
50	بابیون کی فتح سنہ ۲۰ء بمطابق سنہ ۶۴۱ء	104
	اسکندریہ کی فتح سنہ ۲۰ء بمطابق سنہ ۶۴۱ء	104
51	شہادت فاروق اعظمؓ	104
52	محمد حسین ہیکل کے تاثرات	106
53	**سیدنا عثمان غنی ذوالنورینؓ**	109
54	نام ونسب	109
55	حلیہ مبارک وفضائل	109
56	ہجرت	110
57	خلافت عثمانؓ سنہ ۲۴ء تا سنہ ۳۵ء	112
58	فتوحات اور قابل ذکر واقعات خلافت عثمانیؓ	117
59	فتح افریقہ	118
60	فتح قبرس روڈس	120
61	ایران کا انتظام وانصرام	122

62	بغاوت اور اسلامی فتوحات	122
63	اشاعت قرآن کا عظیم کارنامہ	124
64	عبداللہ بن سبا	127
65	فتنہ عظیم	132
66	ایک سرسری جائزہ	134
67	**سیدنا علی المرتضیٰ** کرم اللہ وجہہ	141
68	نام ونسب	141
69	حلیہ مبارک	142
70	قبول اسلام	142
71	ولادت باسعادت	145
72	ہجرت	148
73	غزوات	149
74	خلافت علی المرتضیٰؓ کا ایک سرسری جائزہ	170
75	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	171
76	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	171
77	حضرت محمد ابن مسلمہؓ	172
78	حضرت اسامہؓ بن زیدؓ	172
79	ہماری دیدہ زیب کتب	176

عرضِ ناشر

معزز قارئین کرام!

سلام مسنون! الحمدللہ ادارہ آپ کی خدمت اقدس میں خلفائے راشدین کی مبارک زندگیوں کے مختصر حالات اور واقعات پر مبنی یہ کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ کوشش آپ کو ضرور پسند آئے گی۔ اس فحاشی اور بے راہروی کے منہ زور سیلاب کے آگے بند باندھنے کیلئے صرف اور صرف دینِ متین کے زریں اصولوں پر کاربند ہونے کی ضرورت ہے ورنہ انجام ماسوائے نقصان کے اور کچھ بھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور آپ کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق جلیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

والسلام

سمیع اللہ برکت

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

وہ نفوس قدسیہ جنہوں نے گلشنِ اسلام کی آبیاری کے انمٹ نقوش چھوڑے

صدق وصفا، عدل وانصاف، شرم وحیا اور شجاعت وبسالت کے حوالہ سے سب سے پہلے جن شخصیات کا نقشہ نگاہوں میں گھومتا ہے، امت مسلمہ کی وہ باعظمت شخصیات خلفائے راشدین کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔

تعلیماتِ نبوی کے رنگ میں رنگا ہوا اور اسوۂ رسول ﷺ کا عکس جمیل خلافت راشدہ کا دور جو ہر دور میں مسلمانوں کی ضرورت بھی رہا اور مرکز جستجو بھی، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سخاوت اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت کا حسین مرقع تھا۔

خلفائے راشدین کو جہاں خاندانی پس منظر کے حوالہ سے دنیائے عرب وعجم میں ایک بلند مقام حاصل ہے کہ یہ چاروں نجوم اسلام قریش سے تعلق رکھتے ہیں وہاں انہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خصوصی نسبت کی وجہ سے بھی امت مسلمہ میں ایک اہم مرتبہ مرحمت ہوا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہ صرف یہ کہ زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ام المومنین ہونے کے شرف سے مشرف ہیں بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ محبت کا مرکز بھی ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور مسلمانوں کی ماں ہونے کا اعزاز حاصل ہوا نبی ﷺ کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں اور یہ وہ اعزاز ہے جو صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کسی نبی کی دو صاحبزادیاں حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی شخص کے نکاح میں نہیں آئیں بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کا نکاح تم سے کر دیتا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وہ خوش قسمت شخصیت ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ پیاری صاحبزادی جن کے آنے پر آپ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور جن کو آپ نے جنتی عورتوں کی

سردار قرار دیا بلکہ ان کی اولاد سے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل چلی، حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، ان (حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ) کے نکاح میں آئیں۔

اسلام اور ایمان سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں اور یقیناً وہ لوگ خوش قسمت ہیں جو دولت اسلام سے مالا مال ہیں اور ان کے سینے نور ایمان سے منور ہیں لیکن قابل فخر لوگ وہ ہیں جو اپنے ایمان و اسلام کا عملی ثبوت دیتے ہوئے اپنی جان، مال اور عزت تک دین متین پر قربان کر دیتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت یہ ہے کہ جس وقت تمام اہل مکہ کسی نئے دین کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور مستقبل کے خطرات واضح نظر آرہے تھے تو جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوراً لبیک کہا اور قدم قدم پر ہادیٔ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا، ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے پاس جب کفار مکہ نے حبیب کبیر یا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنانے کی کوشش کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آڑے آ گئے۔ ان بد باطن لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس قدر اذیت پہنچائی کہ آپ بیہوش ہو گئے جب کچھ ہوش آیا تو خاندان والوں نے خیریت پوچھی لیکن آپ نے اپنا حال بتانے کی بجائے پوچھا میرے آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مجھے بتاؤ کہ آپ کا کیا حال ہے یہ سن کر وہ لوگ ناراض ہو کر اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اپنی جان بلکہ اپنا مال بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وقف کر دیا۔ جن غریب اور نادار غلاموں کو صرف اس جرم کی پاداش میں ظلم وستم کی چکی میں پیسا جاتا تھا کہ وہ اسلام کی دولت سے بہرہ ور کیوں ہوئے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان غلاموں اور لونڈیوں کو خرید خرید کر آزاد کرتے جب آپ اسلام لائے تو چالیس ہزار درہم کے مالک تھے لیکن ہجرت تک آپ نے یہ تمام رقم اسلام اور مسلمانوں پر خرچ کر ڈالی۔

اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے جس قدر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے نفع دیا ہے اس قدر کسی کے مال نے نفع نہیں دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو یہ ان کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز اور امت مسلمہ کے لیے ایک عظیم عطیہ خداوندی قرار پایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے مسلمان ہونے کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود دعا فرمائی کہ یا

اللہ! اسلام کو حضرت عمر بن خطاب کے ذریعے قوت و غلبہ عطا فرما اور تمام اہل مکہ نے دیکھا کہ عمر بن خطاب، فاروق اعظم بنے اور اسلام کا سخت ترین مخالف حلقہ بگوش اسلام ہوا تو اعلان ہوا کہ اب مسلمان چھپ کر نمازیں نہیں پڑھیں گے اب عمر مسلمان ہو گیا لہٰذا سر عام اور کھلم کھلا عبادت خداوندی کی بہار نظر آئے گی اور وہ عمر فاروق جن کو آتے دیکھ کر ابو جہل نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ بھی نہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ اس وقت کی دو عالمی طاقتیں (Super Powers) روم اور ایران کے حکمران آپ کے نام سے تھر تھر کانپتے تھے بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شیطان، حضرت عمر کے سائے سے بھی بھاگتا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جنہوں نے اعلان نبوت کے بعد ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا ان کا اسلام قبول کرنا ایک ابتلاء اور آزمائش کی گھڑی تھی آپ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو پورا خاندان بھڑک اٹھا آپ کا چچا حکم بن ابی العاص اس قدر ناراض ہوا کہ اس نے آپ کو پکڑ کر ایک رسی سے باندھ دیا اور کہا جب تک تم اس نئے مذہب کو نہیں چھوڑو گے ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے لیکن آپ کے پایۂ استقلال میں لغزش نہ آئی اور آپ نے فرمایا تمہارے جی میں جو آئے کرو قسم بخدا! میں کبھی بھی اسلام کو نہیں چھوڑوں گا اور نہ اس سے جدا ہوں گا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جہاں ایک طرف اسلام کی پاداش میں طرح طرح کے مصائب جھیلے وہاں آپ کی دولت ملت اسلامیہ کے لیے وقف ہوئی۔ مسجد نبوی کی توسیع، بیر رومہ کی خریداری اور غزوۂ تبوک کے لیے دفاعی فنڈ میں خطیر رقم اور سواریوں کا عطیہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک تاریخی کارنامہ ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ابھی دس سال کے بچے ہیں جب اعلان نبوت ہوتا ہے لیکن آپ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ بچوں میں سب سے پہلے اسلام لائے اور اسی پر اکتفا نہیں ہوا بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش میں ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال اور عبادات کے طریقوں کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اس لیے علم کی دولت سے مالا مال ہوئے اور بقول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سب سے بڑے قاضی قرار پائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت سے جو اعزازات حاصل ہوئے ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا لیکن آپ کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بناتا خلیل اس دوست کو کہتے ہیں جو دل

کے رازوں سے بھی واقف ہو گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرا خلیل اللہ ہے۔ اگر مخلوق میں سے کوئی میرا خلیل بنتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس منصب کے لائق تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت کو یوں اجاگر فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر فاروق ہوتے۔ گویا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں وہ صفات پائی جاتی ہیں جو ایک نبی میں ہوتی ہیں لیکن چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ختم نبوت کا تاج پہنایا گیا اور آپ پر سلسلہ رسالت و نبوت کو مکمل کر دیا گیا لہٰذا آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

یہی نہیں بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ ہر امت میں ایک محدث ہوتا ہے (یعنی جس کو الہام کیا جاتا ہے) اور میری امت میں یہ اعزاز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت سے یہ اعزاز حاصل ہوا کہ جب بیعت رضوان کے موقعہ پر مقام حدیبیہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام موجود صحابہ کرام سے بیعت لی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آپ کے نمائندہ کی حیثیت سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا اور ان کی بیعت لی گویا ہادیٔ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک جسے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ قرار دیا گیا ارشاد خداوندی ہے "اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے"۔

تو آپ کا دست مبارک جسے یہ عظمت عطا کی گئی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بھی قرار پاتا ہے۔

اس موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ قریش مکہ کو بتانے گئے تھے کہ ہم لڑائی کے لیے نہیں بلکہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اجازت نہ دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ عمرہ کر سکتے ہیں لیکن ان کے ایمان نے گوارہ نہ کیا اور فرمایا میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر عمرہ نہیں کروں گا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جہاں دیگر اعزازات سے نوازا گیا وہاں غزوۂ خیبر کے موقعہ پر باوجودیکہ آپ کی آنکھوں میں تکلیف تھی آپ کو جھنڈا عطا کیا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کل میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے محبت کرتا اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں خیبر کو فتح فرمائے گا۔

اور جب ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم فرمایا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ ملایا اور فرمایا تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت میں یہ قرب حاصل تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی پر اعتماد کا اظہار فرمایا۔

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک شخص گائے پر سامان لاد کر لے جا رہا تھا کہ گائے نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور کہا مجھے اس مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ گائے کے بولنے پر صحابہ کرام متعجب ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس بات پر میرا، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایمان ہے، گویا اس قدر اعتماد تھا کہ ان کے عقیدہ کی ذمہ داری بھی خود اپنے ذمہ لے لی اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پوچھے بغیر ان کی طرف سے بیعت اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہ کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود وکیل بن کر نکاح کرنا اور بعد میں ان سے پوچھنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان خلفائے راشدین پر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکمل اعتماد تھا۔

خلفائے راشدین کا یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے (بظاہر) پردہ فرمانے کے بعد امت کی باگ دوران عظیم شخصیات کے ہاتھ میں آئی ان کا دور ملوکیت اور مغربی نام نہاد جمہوریت کا دور تھا اور خلافت علی منہاج النبوت قائم تھی۔

سیاست، قومی خدمت کا دوسرا نام تھا خلیفہ وقت اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز نہیں سمجھتا تھا اور عدل و انصاف کا دور دورہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ملت اسلامیہ خلافت راشدہ کی متمنی ہے اور بارگاہ خداوندی میں دعا کی جاتی ہے کہ خلفائے راشدین کا سنہری دور پھر لوٹ آئے اور حکومت و سیاست تجارت کی بجائے خدمت کا ذریعہ بنے۔

خلفائے راشدین نے جس طرح اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ کی محبت، عشق رسول، تعلیمات اسلام پر عمل، کفار سے جہاد اور ملت اسلامیہ کی خدمت میں گزار کر ایک ارفع و اعلیٰ زندگی کا تمغہ حاصل کیا اسی طرح ان کی ظاہری زندگی کا اختتام بھی نہایت ہی قابل فخر ہے چاروں

خلفائے راشدین کو شہادت کا درجہ حاصل ہوا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اگر چہ بظاہر شہید نہ ہوئے لیکن جب ہجرت کے موقع پر غار ثور میں آپ کے پاؤں کے انگوٹھے کو سانپ نے کاٹا تھا تو اس کا اثر ہمیشہ ظاہر ہوتا تھا اور یہی آپ کی شہادت کا باعث ہوا جس طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بظاہر کسی دشمن اسلام کے ہاتھوں سے قتل ہونا حکمتِ خداوندی کے خلاف تھا لیکن آپ کو مرتبۂ شہادت یوں عطا کیا گیا کہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے بکری کے بھنے ہوئے گوشت میں زہر ملا کر آپ کو دیا اگر چہ آپ نے فوراً ہی اس کھانے سے ہاتھ روک لیا اور صحابہ کرام کو بھی منع فرما دیا لیکن جو لقمے تناول فرمائے تھے وہ آپ کی شہادت کا سبب بنے اور یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عظیم مرتبہ بھی عطا فرمایا۔

حضرت عمر فاورق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھلم کھلا شہید کیا گیا۔

خلفائے راشدین کا سنہرہ تذکرہ سعادتمند لوگوں کے حصے میں آتا ہے اور تاریخ اسلام کے بے شمار سپوت اس موضوع پر خامہ فرسائی کر چکے ہیں جن میں سے وہ لوگ نہایت ہی خوش بخت ہیں جن کی تحریرات نے امت مسلمہ کے دلوں کو خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت سے منور کیا۔

محترم جناب پیر سید ارتضی علی کرمانی صاحب بھی ان ہی خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کے حصے میں یہ سعادت آئی ہے موصوف نے اختصار اور جامعیت کا حسین امتزاج پیدا کیا ہے اور یہی بات وقت کا اہم تقاضا ہے۔ خلفاء راشدین کے تعارف کے سلسلے میں حضرت کرمانی صاحب کی یہ کاوش لائق صد تحسین ہے اللہ تعالیٰ اس تحریری خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

کرمانوالہ بک شاپ کی نسبت خود اس عظیم الشان مکتبہ کے تعارف کے لیے کافی ہے اس پر مستزاد عزیز محترم سمیع اللہ برکت صاحب کی لگن اور بہتر سے بہترین کی طرف سفر ہے جو اس نوزائیدہ بک شاپ کو انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی بام شہرت تک پہنچا دے گا دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مکتبہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ اور دین حق کی اشاعت کا اہم ذریعہ بنائے۔ آمین۔

علامہ محمد صدیق ہزاروی

جامعہ نظامیہ رضویہ۔ ۲۱ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ

جامعہ ہجویریہ لاہور۔ ۱۰ جولائی ۲۰۰۴ء

دیباچہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبین واصحابہ اجمعین اما بعد۔ بلاشبہ تمام تعریفوں کا مالک اللہ عزوجل ہے۔ اس کی بے پناہ عنایات کریمانہ میں سے ایک عنایت یہ بھی ہم پر ہے کہ اس نے ہمیں امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیدا فرمایا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دور میں ظہور فرمایا جب چہار سو ظلمت و تاریکی کا دور دورہ تھا۔ کہیں شراب پی جارہی تھی تو کہیں جوا کھیلا جارہا تھا، کہیں عورتیں بک رہی تھیں تو کہیں بیٹیاں زندہ درگور کی جارہی تھیں۔ معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے پر تلواریں کھینچ لینا تو گویا معمول کی بات خیال کی جاتی تھی۔

رحمت دو عالم، نور مجسم، محسن انسانیت، باعث وجہ وجود کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور اقدس کے ساتھ ہی ان برائیوں کا خاتمہ ہوتا چلا گیا۔ وہ لوگ جو کہ بڑے فخر سے ان تمام تر برائیوں میں شمولیت اختیار کیا کرتے تھے انہوں

نے اب نور اسلام سے بہرہ مند ہو کر ان تمام برائیوں سے صدق دل سے توبہ کر لی تھی۔

اس کے بعد دنیا نے دیکھا کہ وہی تندخو قوم پوری دنیا کی سیاست اور معاشرت کو بدلنے میں کامیاب ہوئی۔ یہ تمام لوگ یقیناً ایک وقت میں بالکل گمنام تھے مگر پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انہی کے ہاتھوں میں قوموں کی تقدیر آ گئی۔ ان کی زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ قول قرار دیا جانے لگا۔ قوموں کی تقدیریں بدلنے والے یہ لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ انہی قدسی النسل لوگوں نے اسلام کو پھر پوری دنیا میں پھیلایا اور مضبوط کیا۔ ہماری اس کتاب میں چار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مختصر حالات اور واقعات تحریر کیے گئے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارے معزز قارئین کرام ہماری اس کاوش کی ضرور حوصلہ افزائی کریں گے۔

از خاکپائے سگِ کوئے مدینہ

سید ارتضیٰ علی کرمانی عفی عنہ — صفر المظفر 1425ھ

چاہ میراں۔ لاہور — مارچ 2004ء

یاایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی

صحابہ کرام اولیائے کرام صالحین اور شہدائے ناموس مصطفیٰ کی

تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مؤلف

پیر سید ارتضیٰ علی کرمانی

کرمانوالہ بک شاپ

دوکان نمبر ۲۔ دربار مارکیٹ لاہور

Voice: 042-7249515

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدا بو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار سرکار دو عالم ﷺ کے مقرب ترین اصحاب میں ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقون الاولون کی تفسیر نظر آتے ہیں۔ کیونکہ جس وقت آپؓ نے سنا کہ محمد ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا ہے تو بے ساختہ آپ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے۔ یہی بات آپ کو ابو بکرؓ سے صدیق بناتی ہے۔

آزاد مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام قبول فرمایا۔ ظہور اسلام سے قبل بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ سرکار دو عالم ﷺ کے بہت قریب تھے۔ اس لئے ان کو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں دکھائی دی کہ محمد ﷺ جھوٹ تو بول سکتے ہی نہیں۔ کیونکہ آج تک کوئی ایسا واقعہ نہیں دکھائی دیا کہ مصلحت کی وجہ سے ہی آپ ﷺ نے جھوٹ کا سہارا لیا ہو۔

قبول اسلام

اس کے باوجود کہ مکہ معظمہ میں ہر طرف سے یہ باتیں ہونے لگیں کہ محمد ﷺ نے دعویٰ نبوت کیا ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود رسول کریم ﷺ سے ملاقات کرنے کو ترجیح دی اور استفسار کیا کہ

"اے محمد ﷺ اہل قریش آج کل جو کچھ آپ کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ کیا یہ درست ہے۔ یعنی یہ کہ آپ نے ہمارے معبودوں کو ترک کرنے کا کہہ دیا ہے اور ہماری عقلوں پر حماقت کا بھی الزام لگایا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی کافر قرار دے

ڈالا ہے۔ کیا یہ سب کچھ درست ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے سکون سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام باتوں کو سنا اور فرمایا کہ

"اے ابو بکر تم نے بالکل درست سنا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ میں بے شک وشبہ اللہ کا رسول ﷺ ہوں۔ اللہ کریم نے مجھے اسی لئے تمہارے درمیان بھیجا ہے کہ میں اللہ کریم کا پیغام تم لوگوں تک پہنچاؤں۔ اور میں تمہیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں اللہ کی سچی اطاعت کے لئے۔ اللہ کی قسم یہی حق ہے۔

اے ابو بکر میں تمہیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور نہ کوئی اس کے علاوہ لائق عبادت ہے۔"

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کچھ سن کر بلا تاخیر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی میں آپ پر اور اللہ پر صدق دل سے ایمان لایا۔

ابن تمیمی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جس کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کچھ نہ کچھ جھجک کا مظاہرہ کیا۔ لیکن ابو بکرؓ نے بلا تردد اسلام قبول فرمایا۔ ان کے انداز میں کسی بھی قسم کی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ اور یہی ادا ایسی تھی کہ زبان رسالت مآب ﷺ سے صدیق اکبر کا خطاب مرحمت ہوا۔

ولادت ابو بکر

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ولادت عام الفیل سے تین برس قبل ہوئی۔ آپ

۔ زمانہ قبل اسلام میں بھی اس زمانے کی قبیح رسموں اور عادات سے مبرا تھے۔ نہ آپ نے کبھی شراب کو ہاتھ لگایا اور نہ دوسرے بد افعال ہی کی جانب رغبت کی۔ اسی وجہ سے آپ ایک نہایت بلند مرتبہ ومقام رکھتے تھے، جو کہ ظہور اسلام کے بعد غلامی میں بدل گئی۔ اور یوں زمانے نے دیکھا کہ بچپن کی دوستی آداب رسالت میں کس طرح غلامی میں بدلی کہ نبی کریم ﷺ کے پردہ فرمانے اور حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات تک حضرت صدیق اکبرؓ نے کبھی بھی رسالتمآب ﷺ کا نام نہیں کہا

یہی نہیں بلکہ حیات طیبہ ﷺ میں جب کبھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار دو عالم ﷺ کو مخاطب کیا تو یوں کیا کہ ''اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں'' آداب رسالت میں دوستی ختم ہوگئی اور غلامی شروع ہوگئی۔

حلیہ مبارک اور حسب ونسب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرخ وسفید رنگت کے مالک تھے۔ چہرے پر کم گوشت تھا جس کی وجہ سے چہرے پر رگیں ابھری نظر آتی تھیں۔ آپ دبلے پتلے جسم مگر انتہائی بلند حوصلہ شخصیت کے مالک تھے۔ جس کا مظاہرہ دنیا نے واقعہ ہجرت اور نبی کریم ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جیش اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روانگی کے وقت دیکھا۔ ان واقعات کی تفصیل اگلے صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ بالوں میں حنا اور کتم بھی لگایا کرتے تھے جو کہ اس زمانے کا رواج تھا ۔ آپ کو دکھاوے سے چڑ تھی اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی اسم گرامی عبداللہ رضی اللہ

عنہ ہے اور کنیت آپ کی ابوبکرؓ ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ لقب جس سے آپ نے عالمی سطح پر شہرت پائی وہ ہے صدیق اکبر۔ آپ ساتویں پشت میں ۔ کار دو عالم ﷺ سے نسبت رکھتے ہیں آپ کے والد محترم کا نام ابوقحافہ عثمان بن عامر قریشی تھا۔ والدہ ماجدہ ام الخیر سلمٰی بنت صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم تمیمی۔ آپ کی والدہ صاحبہ نے بھی آپ کے بعد جلد ہی اسلام قبول فرمالیا۔

حضرت صدیق اکبر اس زمانہ کے ایسے فضیلت والے خاندان سے تعلق رکھتے تھے کہ آپ کے والد نے بھی اسلام قبول کیا اور آپ کے بیٹوں اور بیٹیوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ یہ اعزاز اس وقت کسی کو بھی حاصل نہ تھا۔ آپ کی فضیلت نبی کریم ﷺ نے بھی پختہ فرمائی واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان کچھ رنجش ہوگئی۔ اس واقعہ کی اطلاع جب سید المرسلین ﷺ کو ہوئی تو آپ نے اصحاب کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان فرمایا کہ

"اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا تمہارے درمیان تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا مگر ابوبکرؓ نے بلا جھجک میری تصدیق کی اور جان و مال سے میرا ساتھ دیا تو کیا تم لوگ میری خاطر میرے اس ساتھی سے رک نہیں سکتے"۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ مکرر ارشاد فرمایا آپ ﷺ کے اس ارشاد پاک کے ساتھ ہی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درجہ تا قیامت بلند تر ہوگیا اور اصحاب کرام نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے حد تکریم شروع کر دی۔

تبلیغ صدیقی

سیدنا صدیق اکبرؓ نے اعلانیہ قبول اسلام فرمایا تھا۔ اور اس کا اظہار بھی سرِ عام کر دیا تھا اسی کے ساتھ ہی آپؓ نے دعوت قبول اسلام بھی دینا شروع کر دی تھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ رقیق القلب، محبوب خلائق اور نرم مزاج کے حامل تھے، اسی لئے اپنی قوم میں ہر دلعزیز تھے۔ اس کے علاوہ آپ اہل قریش کے ناموں اور حسب ونسب سے پوری طرح واقفیت رکھتے تھے۔ نیز اہل قریش کی زندگی کے تمام نشیب وفراز سے بھی اچھی طرح واقف حال تھے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیشہ تجارت اور بااصول تجارت تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت بلند اخلاق اور وسیع القلب تاجر کے طور پر مشہور ومعروف تھے۔ اسی لئے کامیاب وکامران تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلہ کے افراد اکثر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مفید مشوروں کے لئے حاضر ہوتے اور آپ کے مفید رائے سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔ کیوں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روشن دماغ اور صاحب علم وحکمت انسان تھے۔ اسی بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو جو آپ کے پاس اکثر وبیشتر حاضر ہوتے رہتے تھے۔ دعوت اسلام دینا شروع کر دی۔ جس کا خاطر خواہ فائدہ ہوا اور بہت سے اہم لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

آپ کی تبلیغ سے عالم اسلام کے نامور خلیفہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسلام قبول فرمایا جن کا تعلق خاندان بنوامیہ سے تھا۔ جب

خاندان بنو عمرو بن کعب بن سعد بن تیم سے حضرت طلحہؓ اور بنو زہرہ بن قصی سے حضرت سعد بن ابی العاصؓ اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف، خاندان اسد بن عبدالعزی سے حضرت زبیرؓ بن العوام جیسے جلیل القدر صحابہ کرام بھی شامل ہیں۔ ان سربرآوردہ لوگوں کی وجہ سے قوت اسلام میں بہت اضافہ ہوا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ کو خرید کر آزاد فرما دیا۔ محض اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کی خاطر۔

اسی طرح حضرت صدیق اکبر کی فضیلت کا واقعہ یوں تواریخ میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اثنائے خطبہ میں لوگوں سے مخاطب ہوئے کہ "اے لوگو! لوگوں میں تمہیں سب سے زیادہ بہادر کون نظر آتا ہے لوگوں نے کہا اے امیر المومنین آپ ہی ہیں۔ جس پر حضرت علیؓ بولے کہ

"میرا تو جس کسی نے مقابلہ کیا تو میں تو اسی سے برابر ہی رہا۔ لیکن ہم میں سب سے زیادہ بہادر تو ابوبکر صدیقؓ ہیں سنو! ہم سب نے ایک جھونپڑی نبی کریم ﷺ کے لئے بنایا اور سب نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ اس خیمہ کی پہرہ داری کون کرے گا۔ مبادا کوئی مشرک آپ ﷺ کو نقصان پہنچانے کی نیت لیکر نہ آ جائے۔ تو جلدی سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار سونت کر رسول اللہ ﷺ کے سرہانے کھڑے ہو گئے اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی بھی بول سکتے۔ اللہ کی قسم ہم سب میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی بھی اس وقت تیار نہ تھا یہ ہے بہادری

اور دلیری۔

اسی طرح ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ اہل قریش میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو پکڑ رکھا تھا اور ایک آدمی بہت اونچی آواز میں آپ ﷺ پر بگڑ رہا تھا۔ اور ایک آپ ﷺ کو جھنجھوڑ بھی رہا تھا۔ پس اللہ کی قسم کوئی بھی شخص ہم میں سے رسول اللہ ﷺ کے قریب نہ گیا سوائے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو کسی سے مارا ماری ہوئی اور کسی سے تلخ کلامی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونچی آواز میں کہہ رہے تھے کہ "تمہارا ناس جائے کیا تم ایسے آدمی کو قتل کر ڈالو گے جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

یہ بیان فرما کر حضرت علیؓ نے چادر اتار لی اور اس قدر روئے کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ فرعون کے زمانہ کا مومن بہتر تھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگ خاموش رہے۔ کسی طرف سے بھی جواب نہ آیا تب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ "اللہ کی قسم ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک ساعت زمانہ فرعون کے زمانہ کے مومن کے زمین بھر کے ہونے سے بہتر ہے کیونکہ مومن آل فرعون تو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ شخص ہیں جنھوں نے اپنے ایمان کو ظاہر فرمایا"

(وقال حديث صحيح مسلم على شرط مسلم ولم يخرجاه

واخرج الزارني مسنده عن محمد بن عقيل)

کی کوئی امید نہ تھی۔ بنو تیم کے لوگوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوگئی تو بہت خون ریزی ہوگی اور عتبہ بن ربیعہ کو ضرور قتل کیا جائے گا۔ آخرکار دن کے آخری حصہ میں سیدنا صدیق اکبر کو ہوش آیا۔ اور پہلا سوال جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا وہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے۔ اس بات کا بنو تیم کے لوگوں نے بہت برا منایا اور بولتے جھکتے گھر سے باہر چلے گئے۔

آپ کی والدہ صاحبہ بار بار کچھ کھانے پینے کا اصرار کرتیں رہیں مگر سیدنا صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ ﷺ ہی کا بار بار پوچھا۔ آپ کی والدہ نے کہا کہ اللہ کی قسم مجھے ان کے متعلق تو کچھ بھی خبر نہیں۔ جس پر آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ام جمیل بنت خطاب کے پاس جائیں اور ان سے آپ ﷺ کی حالت دریافت کریں۔ آپ کی والدہ صاحبہ ام جمیل بنت خطاب کے پاس گئیں تو انہوں نے کہا کہ نہ میں محمد ﷺ بن عبداللہ کو جانوں نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہاں اگر آپ کو پسند نہ ہو تو میں آپکے بیٹے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلتی ہوں۔ آپ کی والدہ صاحبہ ام جمیل کو لیکر جب گھر واپس آئیں تو ابوبکر صدیق کو نیم بیہوشی کی حالت میں پایا۔ تو ام جمیل آپ کے کانوں کے پاس جا کر بولی "اللہ کی قسم جس قوم نے تمہیں یہ مصیبت پہنچائی ہے وہ بے شک فاسق اور کافر لوگ ہیں اور مجھے پوری امید ہے کہ اللہ پاک ان لوگوں سے آپ کا بدلہ ضرور لے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے نقاہت آمیز لہجے میں دریافت کیا کہ نبی کریم ﷺ کا کیا حال ہے۔ ام جمیل نے آپ کی والدہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ کہیں سن نہ لیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بے فکر رہیں اور اپنے آپ کو کسی بھی قسم کے خطرہ میں محسوس نہ کریں۔

ام جمیل نے بتایا کہ آپ ﷺ اللہ کے فضل سے بالکل صحیح ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ اس وقت سرکار دو عالم ﷺ کہاں ہیں تو

انہوں نے بتایا کہ دار الارقم ہیں۔ صدیق اکبر نے اسی وقت قسم کھائی کہ اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں نہ پیوں گا جب تک رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری نہ دوں۔ جب لوگوں کی آمد و رفت کم ہوئی تو بڑی مشکلوں سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دار الارقم پہنچے۔ آپ کو آپ کی والدہ صاحبہ اور ام جمیل سہارا دے کر دار الارقم لے گئیں اور وہاں لے جا کر لٹا دیا۔

راوی کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ سیدنا صدیق اکبر پر جھک گئے اور آپؓ کا بوسہ لیا۔ تمام مسلمان بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقاہت بھرے لہجہ میں عرض کیا کہ۔

''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی تکلیف نہیں مگر وہی جو کہ اس فاسق نے میرے چہرے پر ایذا رسانی کی اور یہ میری ماں ہی میری محسنہ ہے۔ آپ بے شک برکت والے ہیں ان کو اللہ کی طرف بلائیے اور اللہ کے حضور ان کے لئے دعا فرمائیے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ پاک آپ ﷺ کے طفیل میں انہیں دوزخ سے نجات دے دے گا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کی والدہ ماجدہ صاحبہ کو اللہ کی طرف بلایا اور ام صدیق اکبرؓ بھی اسلام لے آئیں۔ بیماری کی حالت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دار الارقم میں ایک ماہ ٹھہرے رہے۔

حضرت امیر حمزہؓ انہی ایام میں مشرف با اسلام ہوئے۔ اور آپ کی دعا کے طفیل ہی انہی ایام میں سیدنا فاروق اعظمؓ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ سیدنا فاروق اعظم کے قبول اسلام کی خوشی میں رسول اللہ ﷺ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور وہاں پر موجود تمام اہل اسلام نے بھی۔ یہ آواز مکہ کی پوری فضا پر چھا گئی۔ فاروق اعظم رضی

عنہ نے قبول اسلام کے فوری بعد ہی رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ اب تو ہمیں کھل کر تبلیغ کرنا چاہیے۔

جب مسلمانوں پر حد سے زیادہ ظلم و ستم ہونے لگے تو صدیق اکبرؓ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا۔ ابھی برک غماد تک ہی پہنچے تھے کہ ابن دغنہ جو کہ قبلہ قارہ کا سردار تھا سے ملاقات ہوگئی۔ جب اسے آپ کی ہجرت کا علم ہوا تو کہنے لگا۔

''اے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' تمہارے جیسا نہ تو نکل سکتا ہے اور نہ ہی نکالا جا سکتا ہے تم تو مفلسوں کے لئے کسب کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، عیال دار کا بوجھ برداشت کرتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصائب میں اعانت کرتے ہو، میں تمہیں پناہ دیتا ہوں، آؤ لوٹ چلو اپنے وطن کی طرف اپنے رب کی عبادت اپنے شہر میں کرو۔

ابن دغنہ کی حوصلہ افزاء باتوں سے متاثر ہو کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس لوٹ آئے۔ ابن دغنہ شام کو قریش کے سرداروں کے پاس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ پہنچا اور کہنے لگا۔

''ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا انسان نہ تو نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔ کیا تم لوگ ایسے آدمی کو نکالتے ہو جو مفلسوں کے لئے کسب کرتا ہے صلہ رحمی کرتا ہے، عیال داروں کا بوجھ برداشت کرتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے اور مصائب میں اعانت کرتا ہے۔ میں ان کو پناہ دیتا ہوں'' اہل قریش ابن دغنہ کی پناہ کو رد نہ کر سکے اور مجبور ہو کر کہا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ ''یہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کیا کریں۔ اور جو کچھ بھی کرنا چاہیں وہیں پر کریں گے۔ اور اپنی باتوں سے ہمیں تکلیف نہ پہنچائیں۔ اور اونچی آواز میں نہ پڑھا کریں۔ کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ ہمارے بچوں اور عورتوں کو یہ فتنے میں نہ ڈال دیں۔ ابن دغنہ کے کہنے سے کچھ عرصہ تو صدیق اکبرؓ اپنے گھر تک محدود رہے مگر بعد میں اپنے گھر میں ہی مسجد بنالی۔ اور بلند آواز کے ساتھ تلاوت

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کے ساتھ اڑتالیس صحابہ جمع ہو گئے تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے اس بات پر اصرار کیا کہ اب آپ ﷺ کھلم کھلا تبلیغ کیجئے۔ (یاد رہے کہ ظہور اسلام کے بعد کافی عرصہ تبلیغ کا مرکز شہر سے کچھ دور دارالارقم تھا۔ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین وہاں پر چپکے چپکے پہنچ جاتے اور ارکان دین کی تعلیم سرکار دو عالم ﷺ سے حاصل کرتے۔ یہ انہی دنوں کی بات ہے) آپ ﷺ نے فرمایا ''اے ابو بکر! ابھی ہماری تعداد بہت تھوڑی ہے'' مگر صدیق اکبرؓ کا اصرار جاری رہا۔

چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اعلانیہ دعوت حق کی اجازت مرحمت فرما دی اور طے یہ پایا کہ خانہ کعبہ کے گرد مسلمان اپنے اپنے قبائل کے لوگوں کو دین متین کی طرف راغب کرنے کی کوششیں کریں۔ اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں صدیق اکبرؓ خانہ کعبہ کی چاردیواری میں خطبہ دینا شروع کیا یوں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے پہلے خطیب ٹھہرے۔ ابھی خطبہ کا آغاز ہی ہوا تھا کہ مشرکوں کی ایک بڑی تعداد صدیق اکبرؓ اور مسلمانوں پر بری طرح ٹوٹ پڑی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ میں بہت چوٹیں آئی۔ ایک مشرک جس کا نام عتبہ بن ربیعہ فاسق تھا نے اپنے کئی تلے والے جوتے سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مارنا شروع کر دیا۔

اس مار کٹائی میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس قدر زدوکوب کیا گیا کہ آپ کا چہرہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔ اسی دوران آپ کے خاندان کے لوگ وہاں پہنچ گئے اور لوگوں کو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دور بھگایا۔ جناب صدیق اکبرؓ کی زندگی بچ جانے

کرتے۔ یہ دیکھ کر مشرکین کے بچوں اور عورتوں کو بڑا تعجب ہوا اور ان کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔

جس کی اطلاع مشرکین نے ابن دغنہ کو دی اور بلوا لیا اس کو تمام ماجرا اور عہد بتلایا۔ اس نے جب ابوبکر صدیق کو راضی کرنا چاہا تو آپ کسی صورت نہ مانے جس کی وجہ سے ابن دغنہ کو اپنی پناہ کا وعدہ توڑنا پڑا۔

حضرت قاسم روایت کرتے ہیں کہ پناہ کو رد کرنے کے بعد ایک دن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بیت اللہ کی جانب جا رہے تھے تو ایک مشرک نے آپ کے سر پر مٹی ڈال دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے ولید بن مغیرہ گزر رہا تھا آپ نے اس کو کہا کہ تم نے دیکھا اس نے کیا کیا تو وہ بولا کہ تم نے خود یہ کام کیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین بار فرمایا اے رب تو کتنا بردبار ہے۔

ہجرت صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اہل اسلام کی مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کو تاریخ اسلام میں بہت اہم مقام حاصل ہے۔ تبلیغ دین کے سلسلہ میں جو تکالیف مسلمانوں کو اٹھانا پڑ رہی تھیں ان کا کچھ اندازہ تو آپ کو گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے ہو گیا ہوگا۔ مکہ میں چونکہ مشرکین کا بہت اثر پایا جاتا تھا اس لئے وہ لوگ مسلمانوں کو تنگ کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھوں سے نہیں جانے دیتے تھے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے کچھ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت فرمائی تھی۔ مگر مکہ میں حالات چونکہ روز بروز خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے تھے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کا خود بھی ارادہ فرمایا اور اہل اسلام کو بھی اجازت دے دی۔

اہل مدینہ نے بہت ہی حوصلہ افزا رویہ اختیار کیا تھا اور یہ ظاہر کیا تھا کہ اہل اسلام کو مدینہ منورہ میں کسی قسم کا ڈر خوف نہ ہوگا۔ انہی بہادر لوگوں میں قبیلہ بنو غفار کے لوگ بھی شامل تھے۔ آدھا قبیلہ تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کر چکا تھا۔ مگر باقی لوگوں نے یہ کہا کہ ہم اس وقت اسلام قبول کریں گے جب رسالت مآب ﷺ خود مدینہ منورہ تشریف لائیں گے۔ اور ہوا بھی یوں کہ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ آئے تو سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

حضرت عروہؓ (اخرج الطبرانی) روایت کرتے ہیں کہ حج کے بعد اور باقی ذی الحجہ اور صفر میں آپ ﷺ مکہ ہی میں رہے پھر مشرکین قریش نے یہ جب گمان کر لیا کہ محمد ﷺ اب یہاں سے چلے جائیں گے اور مدینہ کو اپنا ٹھکانہ بنا لیں گے کیونکہ انہیں

مدینہ کے بہت سے لوگوں کے بارے میں یہ علم ہو چکا تھا کہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اور یہ بات تو ان کے علم میں ہی تھی کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد مدینہ منورہ پہنچ چکی ہے۔ تو انہوں نے اتفاق رائے سے یہ سازش تیار کی کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کی رہائش گاہ سے گرفتار کر کے یا تو شہر بدر کر دیا جائے یا پھر قتل کر دیا جائے۔ اس سازش کو اللہ کریم نے رسول اللہ ﷺ پر بذریعہ وحی ظاہر فرما دیا سورہ انفال میں اس طرح آیا ہے کہ۔

ترجمہ ''اور جب آپ ﷺ کے بارے میں کفار مکاری کی تدبیریں کر رہے تھے کہ یا تو آپ ﷺ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا نکال دیں۔ اور اللہ بھی تدبیر میں تھا۔ اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے''

جس رات کو کفار کا شب خون مارنے کا ارادہ تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق کے گھر تشریف لائے اور اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو سلا دیا کیونکہ اہل مکہ کی بہت سی امانتیں نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لیکر نبی کریم ﷺ غار ثور میں تشریف لے گئے۔ وہ خوش نصیب خواتین و حضرات جنہوں نے یہ غار دیکھا ہے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس قدر دشوار گزار راستہ ہے۔ بالکل سیدھی پہاڑی ہے رات کے وقت اس پہاڑی پر چڑھنا از حد مشکل امر ہے۔ کلام اللہ شریف میں اسی غار کا ذکر کچھ یوں ہے کہ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْھُمَا فِی الْغَارِ صبح تک کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کو پکڑنے کی ہی تدبیریں کرتے رہے۔ مگر جب صبح ظاہر ہوئی تو بستر پر حضرت علی کو سوتا ہوا پایا۔ بڑے سٹپٹائے اور پوچھا کہ بتاؤ محمد ﷺ کہاں گئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے لاعلمی ظاہر کی۔ تو سب لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر چاروں طرف دوڑ

پڑے۔ یہاں تک کہ غار ثور پر بھی چڑھنے لگے۔ ان کی آوازیں سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ کو فکر دامن گیر ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اسی سلسلہ میں سورہ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

ترجمہ:۔''اللہ پاک نے اپنا اطمینان اپنے رسول اور مومنین پر اتارا اور ایسا لشکر بھیجا جس کو تم لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ اور کفار کی بات کو اللہ نے نیچا کر دیا۔ اور اللہ کی بات وہی اونچی ہو کر رہتی ہے۔ اور اللہ زبردست قوت والا اور بڑی حکمت والا ہے (سورہ توبہ رکوع ۶)

حضرت ابوبکرؓ کے پاس ایک دودھ دینے والی اونٹنی تھی۔ جس کا دودھ شام کو حضرت ابوبکرؓ اور رسول کریم ﷺ پیتے اور صبح کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور سیدنا صدیق اکبر کے اہل وعیال مکہ میں تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کہ نہایت دیانت دار اور پکے سچے مسلمان تھے اس کام کے لئے بھیجا کہ وہ ایک راہبر کو اجرت پر لیں جو انہیں محفوظ راستہ بتائے انہوں نے اس کام کے لئے ایک آدمی بنی عبد بن عدی میں سے اجرت پر لیا جس کا نام ابن ایقط تھا۔

رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ اسی غار میں چند دن اور چند راتیں غار میں ٹھہرے رہے۔ اسی دوران حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ شام کو سارے دن کی خبروں سے دونوں ہستیوں کو آگاہ کرتے۔

حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ بن فہیرہ روزانہ رات کو بکریاں لاتے اور دودھ دوھ کر پلاتے۔ اگر بکری ذبح کرنے کی ضرورت ہوتی تو بکری ذبح کر دیتے اور صبح سویرے

چل پڑتے۔ اور پھر سارا دن دوسرے لوگوں کے ساتھ بکریاں چراتے رہتے۔ یہاں تک کہ مکہ میں ان دونوں ہستیوں کا چرچا کم ہو گیا۔

جب لوگ خاموش ہو رہے تھے تو عامر بن فہیرہ دو اونٹنیاں لیکر حاضر ہوئے اور عازم مدینہ منورہ ہوئے اب ان کے رہبر صرف عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن فہیرہ تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ بہت معروف تھے اس لئے سواری کو آگے رکھا۔ جو کوئی ملتا تو پوچھتا کہ یہ کون ہیں تو آپ کہہ دیتے کہ میرے رہبر ہیں وہ یہ سمجھتا کہ راستہ بتانے والے ہیں۔ حالانکہ حضرت صدیق اکبرؓ کا مطلب ہوتا کہ دین کے رہبر ہیں۔

جب یہ مبارک قافلہ جو کہ تین اشخاص پر مشتمل تھا فدیہ کی آبادی تک پہنچا تو ایک سوار نے تعاقب شروع کر دیا۔ مگر قریب پہنچا تو گھوڑے کے پاؤں ریت میں دھنس گئے اور اسی طرح وہ خائف ہو کر چلا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ داخل ہوئے تو اہل شہر نے والہانہ طریقہ سے استقبال کیا سب لوگوں کو اس بات کی شدت سے طلب تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ ان کے ہاں قیام فرمائیں آٹھ دن کے مسلسل سفر نے سرکار دو عالم ﷺ کو تھکا دیا تھا آپ نے فرمایا کہ آج کی رات میں عبدالمطلب کے ماموں بنی نجار کے ہاں قیام کروں گا۔ اور صبح وہاں جاؤں گا جہاں اللہ کا حکم ہوگا۔

خلافت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۱ھ تا ۱۳ھ

حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موضع سخ سے اپنی سواری پر سوار ہو کر مسجد نبوی کے دروازے پر اترے اور نبی کریم ﷺ کے مکان کی طرف نہایت غم زدہ ہو کر دیکھا اور اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے داخل ہونے کی اجازت چاہی بعد از اجازت اندر داخل ہوئے۔ سرکار دو عالم ﷺ وفات پا چکے تھے اور امہات المومنین آپ کے چاروں طرف موجود تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چہرہ انور سے کپڑا اٹھایا اور دو زانو ہو کر بوسہ دیا۔ اور زار و قطار روتے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد چہرہ مبارک کو چادر سے ڈھانپ کر ممبر رسول ﷺ پر تشریف لائے مسجد نبوی اصحاب رسول ﷺ سے پوری طرح بھری ہوئی تھی اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔

خطبہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ممبر پر بیٹھ گئے تو آپ کے سامنے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھ گئے اور صحابہ کرام کو خاموشی کا کہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھا اور اس کے بعد فرمایا "بے شک اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کو ان کی وفات کی خبر اسی وقت دے دی تھی جب سرکار دو عالم ﷺ ہم لوگوں میں موجود تھے۔ اور آپ ﷺ نے ہم لوگوں کو اطلاع دے دی تھی کہ موت سب پر آنی ہے ماسوائے اللہ کریم کے۔ اللہ پاک نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ۔

ترجمہ "اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک رسول ہیں آپ ﷺ سے قبل بھی بہت سے

رسول گزرے ہیں۔ اگر آپ ﷺ کی وفات ہو جائے یا آپ شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم لوگ اپنی ایڑیوں کے بل الٹے ہو جاؤ گے۔ اور جو بھی اپنی ایڑیوں کے بل الٹا پھر جائے گا اللہ پاک کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا اور بہت جلد اللہ پاک شکر ادا کرنے والوں کو جزا دے گا (پ لن تنالو ع ۵)

اس کے بعد فرمایا کہ بے شک اللہ پاک نے رسول اللہ ﷺ کو ایک مقررہ عمر دی اور آپ ﷺ کو اتنی مدت تک حیات رکھا کہ آپ ﷺ نے اللہ کے دین کو قائم کر دیا اور اللہ کے امر کو ظاہر فرمایا۔ اور اللہ کے پیغامات کی تبلیغ کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا۔ پھر اللہ پاک نے انہی حالات پر آپ ﷺ کو وفات دی۔ آپ ﷺ ہم لوگوں کو ایک خاص راستہ پر ڈال گئے ہیں۔ اب کوئی مرنے والا بغیر محبت واضح اور پوری شفاء روحانی کی دلائل واضح کے نہ مرے گا۔ پس جس کسی کا بھی اللہ رب ہے۔ پس تحقیق کہ اللہ پاک زندہ ہے اور اس کے لئے موت نہیں اور جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اور ان کو معبودیت کا درجہ دیتا تھا وہ سن لے کہ اس کا معبود ہلاک ہو گیا۔ پس اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اپنے دین پر جمے رہو۔ اور اپنے رب پر بھروسہ رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا دین باقی رہے گا۔ اور بے شک اللہ کا کلمہ پورا ہے اور بلا شبہ اس شخص کی امداد کرے گا جس نے اس کی امداد کی اور اس کے دین کو عزت دی اور اللہ پاک کی کتاب ہمارے پاس ہے وہ نور ہے اور شفا ہے اور اسی کے ذریعہ محمد ﷺ کو ہدایت دی اور اسی کتاب میں اللہ نے اپنے حلال اور حرام کا تذکرہ کیا اور اللہ کی قسم اللہ کی مخلوق میں سے جو ہم پر فوج لیکر چڑھائی کرے گا تو ہم کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ کی تلواریں سونتی ہوئی ہیں۔ ہم نے ان کو اب تک نہیں رکھا ہے۔ اور جو بھی ہمارے خلاف کوئی اقدام کرے

گا ہم اس سے جہاد کریں گے۔ جس طرح ہم نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ مل کر کیا تھا پس جو کوئی بھی بغاوت کرے گا اس کا خمیازہ اسی پر پڑے گا۔''

دراصل جب سے صحابہ کرامؓ نے وفات رسول کریم ﷺ کی خبر سنی تھی وہ اپنے اوسان کھو بیٹھے تھے اور سب سے بری حالت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی ان کے حالات میں جو عمل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دکھایا وہ نہایت غیر معمولی نوعیت کا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ رسول کریم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پسند فرماتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد امیر کا تعین ہونا ضروری خیال کیا گیا ورنہ عرب قبائل میں سخت خون ریزی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ بنو سقیفہ میں اس سلسلہ میں مہاجرین اور انصار کے سربرآوردہ لوگوں میں مشاورت ہوئی اور بحث مباحثہ بھی ہوا۔

حضرت سالم بن عبیدؓ بنو سقیفہ میں مشاورت کی روایت کرتے ہیں کہ کسی نے یہ انصار کی جانب سے یہ کہا کہ ایک خلیفہ انصار کی جانب سے ہوا اور ایک مہاجرین کی جانب سے جس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک میان میں دو تلواریں کس طرح سما سکتی ہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مسعود نے فرمایا کہ۔

''اے لوگو! تم فرماں برداری اور جماعت کو ہاتھ سے مت چھوڑو یہ چیز اللہ کی رسی ہے جس کی پابندی کا حکم اللہ نے دیا ہے اور آپ حضرات کو اتحاد جماعت میں جو کراہت محسوس ہو رہی ہے یہ کہیں زیادہ اسی اختلاف سے بہتر ہے جس کی طرف آپ لوگ جا رہے ہیں بے شک اللہ پاک نے جب کبھی کسی چیز کو پیدا کیا اس کے لئے انتہا بھی قائم کر دی جس پر وہ چیز جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ اسلام کے لئے یہ ثبات و

گا ہم اس سے جہاد کریں گے۔ جس طرح ہم نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ مل کر کیا تھا پس جو کوئی بھی بغاوت کرے گا اس کا خمیازہ اسی پر پڑے گا۔"

دراصل جب سے صحابہ کرامؓ نے وفات رسول کریم ﷺ کی خبر سنی تھی وہ اپنے اوسان کھو بیٹھے تھے اور سب سے بری حالت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی ان کے حالات میں جو عمل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دکھایا وہ نہایت غیر معمولی نوعیت کا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ رسول کریم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پسند فرماتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد امیر کا تعین ہونا ضروری خیال کیا گیا ورنہ عرب قبائل میں سخت خون ریزی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ بنو سقیفہ میں اس سلسلہ میں مہاجرین اور انصار کے سربرآوردہ لوگوں میں مشاورت ہوئی اور بحث مباحثہ بھی ہوا۔

حضرت سالم بن عبیدؓ بنو سقیفہ میں مشاورت کی روایت کرتے ہیں کہ کسی نے یہ انصار کی جانب سے یہ کہا کہ ایک خلیفہ انصار کی جانب سے ہوا اور ایک مہاجرین کی جانب سے جس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک میان میں دو تلواریں کس طرح سما سکتی ہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مسعود نے فرمایا کہ۔

"اے لوگو! تم فرماں برداری اور جماعت کو ہاتھ سے مت چھوڑو یہ چیز اللہ کی رسی ہے جس کی پابندی کا حکم اللہ نے دیا ہے اور آپ حضرات کو اتحاد جماعت میں جو کراہت محسوس ہو رہی ہے یہ کہیں زیادہ اسی اختلاف سے بہتر ہے جس کی طرف آپ لوگ جا رہے ہیں بے شک اللہ پاک نے جب کبھی کسی چیز کو پیدا کیا اس کے لئے انتہا بھی قائم کر دی جس پر وہ چیز جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ اسلام کے لئے یہ ثبات و

ترقی کا زمانہ ہے، اور عنقریب یہ بھی انتہا کو پہنچ جائے گا۔ پھر اس میں بھی قیامت تک کمی اور زیادتی ہوتی رہے گی اور اس کی علامت فاقہ ہے اور ایسا فاقہ گزرے گا کہ فقیہ کو بھی کوئی امداد دینے والا دکھائی نہیں دے گا۔ اور دولت مند کو جتنی دولت اس کے پاس ہو گی اس کو کم دکھائی دے گی یہاں تک کہ آدمی اپنے حقیقی اور چچازاد بھائیوں سے شکایت کرے گا مگر کوئی بھی ادنیٰ شے سے اس کی خبر گیری نہیں کرے گا۔"

اس کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطاب فرمایا کہ "اے لوگو! میں نے کل تم سے جو بات کہی تھی جو ہو چکی اور میں نے اس بات کو نہ تو اللہ کی کتاب میں پایا اور نہ ہی وہ کوئی ایسا وعدہ تھا جو مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو لیکن وہ میرا گمان تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کے امر کی تدبیر کریں گے اور بلاشبہ اللہ پاک نے ہمارے لئے ایسی کتاب باقی رکھی ہے جس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے ہدایت دی اگر تم لوگ اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے تو بے شک اللہ پاک تم لوگوں کو اسی چیز کی ہدایت دے گا جس کی کہ رسول کریم ﷺ کو ہدایت دی تھی اور اللہ پاک نے تمہارے کام کو تم میں سے اچھے آدمی پر جمع کر دیا ہے جو کہ رسول کریم ﷺ کے شریک کار اور غار کے ساتھی ہیں۔ جس کی گواہی کلام اللہ شریف بھی دیتا ہے"۔ چنانچہ سب اصحاب رسول ﷺ نے یکے بعد دیگرے بیعت کر لی۔ جب بیعت مکمل ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق نے خطبہ خلافت ارشاد فرمایا "اللہ کی حمد و ثنا جس کا کہ اللہ پاک اہل ہے بیان کر کے فرمایا کہ اما بعد! اے اصحاب رسول

ﷺ! میں تمہارے امر کا والی ہوں۔ حالانکہ میں تم میں سے بھلا نہیں ہوں اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری اعانت کرنا اور اگر میں ٹھیک کام نہ کروں تو مجھے درست کر دینا۔ سچائی امانت اور جھوٹ خیانت ہے اور تمہارا کمزور میرے نزدیک مضبوط تر ہے جب تک میں اس کے دکھ درد کو دور نہ کر دوں اور تمہارا مضبوط تر میرے نزدیک کمزور تر ہے یہاں تک کہ میں اس سے انشاءاللہ پورا حق وصول نہ کرلوں کسی قوم نے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کو نہیں چھوڑا مگر اللہ پاک نے ان میں ذلت اتار دی۔ اور جب کسی قوم میں فحش باتیں پھیل گئیں تو ان پر عام طور پر بلائیں نازل ہوتیں ہیں۔ جب تک میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرنا اور جب میں اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم میری اطاعت سے بری ہو۔ نماز قائم کرو اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔''

بیعت سقیفہ کے بعد مدینہ منورہ کی فضا میں سکون قائم ہو گیا مہاجرین اور انصار میں جو تھوڑی دیر قبل اختلاف رائے پایا جاتا تھا بالکل مفقود ہو چکا تھا اور سبھی اصحاب رسول ﷺ آپس میں حسب سابق شیر و شکر تھے۔ اس بات سے یہ بات عیاں ہوتی تھی کہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو براہ راست درسگاہ نبوی سے فیض یاب ہو چکے تھے پورے طور پر دین کو دنیا پر مقدم کر چکے تھے اور دنیا میں کوئی گروہ اور کوئی جماعت ان کے مرتبہ کو کسی بھی طرح نہیں پہنچ سکتی۔

لشکرِ اسامہ کی روانگی

یہ واقع اپنی جگہ ایک مکمل تاریخ لئے ہوئے ہے اور اس واقعہ نے اسلام کو نئی طاقت بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا دراصل رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے سے کچھ ہی عرصہ قبل یمن ونجد کے علاقوں میں اسود اور مسیلمہ کے فتنوں نے سر اٹھالیا تھا چونکہ ان علاقوں میں آبادی نو مسلم تھی اور اسلام کی تعلیمات کو کما حقہ سمجھ نہیں پائے تھے ان حالات میں نبی کریم ﷺ کی عزت ووقار دیکھ کر بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا تھا اور نومسلم لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو چکے تھے اسود عنسی کا تو دورِ نبوت میں خاتمہ ہو چکا تھا مگر نجد کے علاقہ میں کیفیت بدستور قائم تھی اور علاقہ یمن بھی اسی سورش کا شکار تھا۔

جب وفات نبوی کی خبر چاروں طرف پھیلی تو نومسلم علاقوں کے عوام الناس کے خیالات میں تبدیلی کی لہر دوڑ گئی اور مدعیان نبوت کو بھی کھل کھیلنے کا موقع مل گیا چونکہ ہر دور میں موقع پرستوں کو اس قسم کے مواقعوں کی تلاش ہوا کرتی ہے۔ اسی قسم کے لوگوں کو بھی از سرنو اپنی شرارتوں کے لئے مناسب مواقع میسر آگئے۔ شہرت طلب افراد اور حکومت پسند قبائل بھی اپنی مطلق العنانی اور تن آسانیوں کے لئے تدابیر سوچنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر جانب سے ارتداد کی خبریں آنا شروع ہو گئیں۔ یہ خبریں اس تسلسل اور کثرت سے آنا شروع ہوئیں کہ مدینہ منورہ میں صحابہ کرامؓ کی آنکھوں کے سامنے مصائب وآلام اور ہجوم وغموم کے پہاڑ نظر آتے تھے اور دل ودماغ میں اس قدر بوجھ بڑھ گیا کہ اگر انہوں نے درس گاہ نبوی ﷺ اور آغوش رسالت ﷺ میں صبر

واستقامت کی تعلیم حاصل نہ کی ہوتی تو اسلام کی بربادی بظاہر یقینی تھی۔

ماسوائے مکہ معظمہ مدینہ منورہ، اور طائف کے، تمام علاقوں میں ارتداد کے شعلوں کو دیکھا جا سکتا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی خبریں سننے میں آنا شروع ہوئیں کہ مدینہ منورہ پر حملے کی بھی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے مقابلے کے لئے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی سربراہی میں لشکر روانہ کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ مگر اس کی روانگی ابھی ہو نہیں پائی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا۔ اب جب کہ ہر طرف سے فتنہ وارتداد کی خبریں آنا شروع ہوئیں تو پریشانی کی کیفیت میں شدت پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب اس لشکر کو روانہ کرنا چاہا تو صحابہ کرام نے امیر المومنین کو یہ بتانا پسند کیا کہ وہ ان حالات میں لشکر کی روانگی مناسب نہیں جب کہ مدینہ منورہ پر حملہ کی خبریں بھی گرم ہیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کی قوت ایمانی، قوت قلب ہمت وشجاعت اور حوصلہ و استقامت کا اندازہ اسی بات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ جب روانگی ملتوی کرنے کا اصرار بڑھا تو آپ نے فرمایا کہ۔

"اگر مجھے یہ یقین دلا دیا جائے کہ اس لشکر کے روانہ کرنے کے بعد مجھ کو مدینہ میں اکیلا پا کر شیر پھاڑ کھائے گا تب بھی میں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا کیونکہ اس کی روانگی کا حکم رسول اللہ ﷺ دے چکے ہیں اور مجھ میں حضور ﷺ کی نافرمانی کی طاقت نہیں یہ لشکر ضرور روانہ ہوگا۔"

چنانچہ حکم دیا کہ لشکر اسامہؓ میں شامل تمام لوگ روانگی کی تیاری کریں اور مدینہ منورہ کے باہر لشکر گاہ میں جلد از جلد حاضر ہو جائیں اور اسامہ بنؓ زیدؓ سے

جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ چونکہ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے اس لئے بعض لوگوں کو ان کے بیٹے کی سرداری پسند نہ تھی مگر وہ اس کا اظہار بھی نہیں کرتے تھے دوسری بات یہ کہ بوقت روانگی حضرت اسامہؓ کی عمر بھی سترہ سال سے زائد نہ تھی اس لئے اصحاب رسول کا یہ خیال بھی تھا کہ کسی بڑے سردار کو مقرر کر دیا جائے۔ اور اس بات کا اندازہ حضرت اسامہؓ کو بھی بخوبی تھا۔

اسی لئے انہوں نے حضرت فاروق اعظمؓ کو (جو کہ اسی لشکر میں بطور سپاہی شامل تھے)۔ امیر المومنین کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بڑے بڑے صحابی میرے ساتھ ہیں آپ ان کو واپس بلوالیں اور اپنے پاس رکھیں کیونکہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ مشرکین کہیں حملہ کر کے آپ کو اور مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچادیں۔

حضرت عمر فاروق جب روانہ ہونے لگے تو انصار نے بھی یہ پیغام دیا کہ اس لشکر کا امیر کسی عمر رسیدہ صحابی کو مقرر کر دیا جائے۔ جس کا حسب نسب بھی عمدہ ہو۔ حضرت فاروق اعظم نے پہلے تو امیر لشکر کا پیغام امیر المومنین کی خدمت میں پہنچایا۔ جس کا جواب یہ ملا کہ اس لشکر کی روانگی ملتوی نہیں کی جا سکتی حالانکہ مجھے یہ بھی معلوم ہو کہ اس لشکر کی روانگی سے تمام بستی خالی ہو جائے گی اور مجھے درندے کھا جائیں گے۔ اب فاروق اعظم نے جماعت انصار کا بھی پیغام امیر المومنین کے گوش گزار کرایا تو حضرت صدیق اکبرؓ بولے کہ افسوس کہ ان کے دلوں میں قبل از اسلام کا فخر و تکبر کا اثر دور نہیں ہوا ہے۔

اس کے بعد سیدنا صدیق اکبرؓ اٹھے اور لشکر کو رخصت کرنے کے لئے پا پیادہ

ہی لشکر گاہ کی جانب چل پڑے۔ حضرت اسامہؓ کو لشکر روانہ کرنے کا حکم دیا۔ اور خود امیر المومنین پیدل حضرت اسامہؓ کی سواری کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ جس پر حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین یا تو آپ بھی سواری پر بیٹھ جائیں یا پھر میں نیچے اتر آتا ہوں۔ آپؓ نے فرمایا کہ نہ میں سوار ہوں گا اور نہ ہی تم سواری سے اترو گے۔ اور میرا نقصان ہی کیا ہے اگر میں تھوڑی دور اللہ کی راہ میں بطریق مشایعت تمہاری رکاب میں پیدل چلوں۔ اللہ اللہ کیا شاگردی کا حق ادا ہوا۔ کہ ابن غلام کی سربراہی کو اور سرداری کو خلیفہ وقت اس لئے تسلیم کررہا ہے کہ یہ آقائے نامدار کا حکم ہے۔

صدیق اکبرؓ کا یہ طریق عمل انصار کے اس پیغام کا جواب بھی تھا۔ آپؓ کو حضرت اسامہؓ کی رکاب میں پیدل چلتے دیکھ کر تمام لشکر سے وہ انقباض دور ہوا اور فرماں برداری اور اطاعت امیر کے جذبات بیدار ہوئے۔ صدیق اکبرؓ نے حضرت اسامہؓ کو پیدل چلتے چلتے دس باتوں کی نصیحت فرمائی۔ ۱۔ خیانت کے مرتکب نہ ہونا۔ ۲۔ جھوٹ مت بولنا ۳۔ بدعہدی ہرگز نہ کرنا ۴۔ بچوں، عمر رسیدہ افراد اور خواتین کو قتل نہ کرنا ۵۔ کسی پھل دار درخت کو نہ تو کاٹنا نہ ہی جلانا ۶۔ کھانے کی اشد ضرورت کے بغیر اونٹ بکری گائے وغیرہ کو ذبح مت کرنا۔ ۷۔ جب کسی قوم پر گزر و تو اس کو نرمی سے اسلام کی طرف بلانا ۸۔ جب کسی سے ملنا تو اس کے حفظ مراتب کا خیال ضرور رکھنا ۹۔ جب کھانے لگو تو بسم اللہ ضرور پڑھنا ۱۰۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ان لوگوں سے جنہوں نے دنیا ترک کر کے عبادت گاہوں میں رہنا پسند کر لیا ہو کوئی تعرض مت کرنا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات میں کمی اور زیادتی نہ کرنا صرف اللہ کے لئے اور اللہ کی راہ پر کفار سے لڑنا۔"

ان نصیحتوں کے بعد آپؓ مقام جرف سے واپس پلٹ آئے اور حضرت اسامہؓ کو درخواست کی اگر تم اجازت دو تو عمرؓ میری مدد اور مشورے کے لئے مدینہ رہ جائیں۔ حضرت اسامہؓ نے فوراً اجازت دے دی۔ دور جدید و قدیم میں اس طرز عمل کی مثال ملنا ناممکن ہے۔ حالانکہ امیر المومنین کی خدمت میں اسامہؓ پہلے ہی عرض کر چکے تھے۔ اور قطع نظر اس بات کے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکم فرما کر بھی حضرت فاروق اعظمؓ کو روک سکتے تھے لیکن آداب امارت تو صدیق اکبرؓ نے سرکار دو عالمؐ سے سیکھے تھے اسی لئے امیر لشکر سے اجازت لینا ضروری تصور کیا۔ اور اس اجازت لینے کو تمام لشکر بھی دیکھ رہا تھا۔ اس لئے تمام لشکر ہی آداب امیر سے واقف ہو گیا کہ نافرمانی کی اب کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔

لشکر روانہ ہو چکا ہے۔ امیر لشکر حضرت اسامہؓ بن زیدؓ نے رومیوں کو شکست دی اور بہت سے مال غنیمت اور قیدیوں کے ہمراہ واپس مدینہ منورہ آئے اس لشکر کی روانگی بہت خطرت کا م محسوس کی جارہی تھی مگر اس کی واپسی اسلام اور اہل اسلام کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئی۔ عالم عرب میں فتنہ پردازی پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ امیر المومنین ان سرکشوں کو اور ان کی تیاریوں کو ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں دیں گے۔ اور ہوا بھی یہی کہ ان کو لشکر اسامہؓ کی فتح نے فکر و تردد میں مبتلا کر دیا۔ اور ان کی ہمتیں کمزور پڑنے لگیں۔ یہی وجہ ہے کہ طلیحہ اسدی اور مسیلمہ کذاب جو مدعیان نبوت تھے اپنے علاقوں سے باہر قدم بھی نہیں نکال سکتے تھے۔ اور منکرین زکوۃ بھی مخالفت اسلام کا قطعی فیصلہ نہ کر سکے تھے۔ اس فتح نے مخالفین کے حوصلوں کو پست کیا ہی مگر کثیر مال غنیمت نے فوجی دستوں کی روانگی اور سامان کی تیاری کو بھی آسان کر دیا۔

فتنہ ارتداد کا خاتمہ

عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ مکہ اور طائف کے علاوہ تمام بلاد عرب ایسا مرتد ہو گیا تھا کہ توحید کو چھوڑ کر دوبارہ بتوں کی عبادت شروع کر دی تھی۔ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ توحید سے انکاری کوئی نہیں ہوا تھا بلکہ نومسلم قبائل نے زکوۃ سے انکار کر دیا تھا اس ارتداد کا سبب قدیم عرب کی مطلق العنانی کارفرما تھی وہ لوگ باقی ارکان دین سے انکار نہیں کر رہے تھے۔ صرف زکوۃ سے پورا بلاد عرب ہی منکر ہوا چاہتا تھا اور یہ محض ابتداء ہی تصور کی جاتی ہے اگر کمزور مرکز ہوتا تو پھر باقی ارکان دین پر بھی زد پڑ سکتی تھی نومسلموں کے اس احمقانہ مطالبہ کو نبوت کے جھوٹے دعوے داروں نے تقویت دی اور موقع کا پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہا۔

اس سلسلہ میں امیر المومنین نے تمام صحابہ کبارؓ کی مشاورت طلب کی اور رائے پوچھی۔ یہاں یہ رائے ہوئی کہ منکرین زکوۃ کے ساتھ مشرکین کی طرح قتال نہیں کرنا چاہیے۔ مگر یہ رائے بھی بے دلیل تھی اور لشکر اسامہؓ جیسی ہی تھی۔ چنانچہ نائب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ۔

''اللہ کی قسم اگر زکوۃ کا ایک جانور یا ایک دانہ بھی کوئی قبیلہ ادا نہ کرے گا تو میں اس سے ضرور قتال کروں گا۔''

مرتدین کے وفود مدینہ منورہ میں آئے اور درخواست کی کہ ہم تمام ارکان اسلام کریں گے مگر زکوۃ ہمیں معاف کی جائے مگر انکار سن کر اپنے اپنے قبیلوں کو نامراد

دوسرا لشکر جناب عکرمہؓ بن ابی جہل کی امارت میں روانہ فرمایا اور یمامہ کی جانب مسلیمہ کذاب کی سرکوبی کا حکم فرمایا۔

تیسرا لشکر جناب شرجیلؓ بن حسنہ کی سربرائی میں روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ عکرمہؓ کی مدد کرنے کے بعد اکٹھے بنو کندہ اور بنو قضا کی سرکوبی کرنا۔

چوتھا لشکر جناب خالد بنؓ سعید بن العاص کی امارت میں روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ ملک شام کی سرحدوں پر قبائل کو درست کرو۔

پانچواں لشکر جناب عمرو بن العاص کی سرکوبی میں روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ مرتدین بنو قضاعہ کی سرکوبی کریں۔

چھٹا لشکر جناب حذیفہؓ بن محسن کی امارت میں روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ ملک عمان کے لوگوں کی سرکوبی کریں۔

ساتواں لشکر جناب عرفجہؓ بن ہرثمہ کی سربراہی میں روانہ فرمایا اور اہل مہرہ کی سرکوبی کا حکم دیا جب کہ حذیفہ اور عرفجہ کو اکٹھے رہنے کا حکم دیا نیز یہ کہ جب ملک عمان میں جائیں تو امیر لشکر حذیفہ اور جب مہرہ میں ہوں تو عرفہ امیر اور حذیفہ نائب ہوں گے۔

آٹھواں لشکر جناب طریفہؓ بن عاجز کی سربراہی میں روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ بنو سلیم اور ان کے حلیف بنو ہوازن کی سرکوبی کریں۔

نواں لشکر جناب سویدؓ بن مقرن کی سربراہی میں روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ یمن (تہامہ) کے مرتدین کی سرکوبی کریں۔

دسواں لشکر جناب علا بن الحضرمی کی امارت میں روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ بحرین کی طرف جائیں اور مرتدین کی سرکوبی کریں۔

واپس لوٹ گئے۔ یکا یک پورے بلادِ عرب میں امیر المومنین کے یہ عزائم پہنچ گئے اور مرتدین ومنکرین زکوۃ نے مقابلہ آرائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ صوبوں کے عاملوں نے اپنے اپنے صوبوں کے باغی ہو جانے اور زکوۃ وصول نہ ہونے کی اطلاع مرکز کو بھیجنا شروع کر دیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے تمام عاملوں کے نام مناسب ہدایات اور تمام سرداروں کے نام خطوط ارسال فرمائے۔

بلادِ عرب میں سیدنا صدیق اکبرؓ کو جن لوگوں سے مقابلہ درپیش تھا وہ دو طرح کے تھے۔ اول تو وہ لوگ جو نجد اور یمن وحضرالموت وغیرہ کی طرف مسلیمہ وطلیحہ و سجاع وغیرہ جھوٹے مدعیان نبوت کے ساتھ متفق ہو چکے تھے۔ ان سے قتال کرنے میں تو خیر کسی بھی صحابی کو انکار نہیں تھا۔ مگر ان قبائل کے ساتھ قتال میں بعض صحابی پس و پیش سے کام لے رہے تھے۔ جو زکوۃ سے انکاری تھے لیکن امیر المومنین کی کمال فہم و فراست نے سبھی کو قائل کر دیا۔ اور تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم متفق ہو گئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک فرمان لکھ کر تمام قبائل کو روانہ کر دیا۔

ان فرامین کو قاصدوں کے ہاتھ روانہ فرما کر صدیق اکبرؓ نے گیارہ لشکر ترتیب دیئے اور ان کو مرتدین اور منکرین زکوۃ کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا اور ہدایت کی کہ متعلقہ قبائل میں سے اسلام پسندوں کو بھی اپنے اپنے لشکروں میں شامل کرتے رہیں اور ایک دوسرے کی مسلسل خبر گیری رکھیں۔

پہلا لشکر جناب حضرت خالد بن ولیدؓ سیف اللہ کی امارت میں روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ پہلے تو طلیحہ بن خویلد اسدی پر چڑھائی کی جائے بعد میں بطاغ کی جانب مالک بن نویرہ کی سرکوبی کریں۔

گیارہواں لشکر جناب مہاجرؓ بن امیہ کی سربراہی میں روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ صنعاء کے مرتدین اور منکرین کا قلع قمع کریں۔

تمام سرداروں کو ایک ہی مضمون کا فرمان دیا گیا جس میں نصیحتیں درج تھیں۔

طلیحہ اسدی

یہ ایک کاہن تھا، اسلام قبول کر چکا تھا مگر بدقسمتی سے آخری زمانہ حیات نبوی میں خود ہی نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ یہودیوں کے بعض قبائل کو اس نے اپنا ہمنوا بنالیا۔ اس کی سرکوبی کے لئے حضرت ضرارؓ بن ازور روانہ ہو چکے تھے اب معرکہ جاری تھا کہ سانحہ عظیم یعنی وفات نبوی کی خبر پہنچ گئی۔ حضرت ضرار مہم ناتمام چھوڑ کر مدینہ روانہ ہو گئے اس موقع سے فائدہ اٹھا کہ طلیحہ نے بنو غطفان اور ہوازن کے شکست خوردہ قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر خود کو مضبوط کر لیا اور اب اس کے گرد بنو غطفان، بنو ہوازن، بنو اسد بنو عامر بنو طے وغیرہ جمع ہو گئے۔ عدیؓ بن حاتم نے اپنے لوگوں کو واپس بلوالیا اور دوبارہ بنو طے اسلام میں داخل ہو کر لشکر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولید میں شامل ہو گیا۔

جناب سیف اللہ نے بزاخہ کے میدان میں پہنچ کر طلیحہ کے لشکر پر حملہ کیا۔

عام جنگ سے قبل حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حصن اور ثابتؓ بن اقرم انصاری جو طلایہ گردی پر مامور تھے شہید کر دیئے گئے۔ جناب سیف اللہ نے ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیش اور طے قبیلہ کے آدمیوں پر عدیؓ بن عاتم کو امیر مقرر کر کے حملہ کر دیا۔ جب کہ طلیحہ کے لشکر کا امیر اس کا بھائی حبال تھا۔ طلیحہ جھوٹ موٹ چادر اوڑھے لوگوں کو دھوکہ دے رہا تھا کہ اب وحی آئی کہ اب آئی۔ جب لڑائی کی شدت میں

اضافہ ہوا اور اہل اسلام کا پلڑا بھاری ہونے لگا تو طلیحہ کا ایک سردار عیینہ بن حصن طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ وحی آئی یا نہیں۔ طلیحہ بولا کہ نہیں آئی تھوڑی دیر بعد پھر دریافت کیا جواب پھر وہی ملا آخر تھک ہار کر میدان جنگ میں جا کر لڑنے لگا۔ لیکن مسلمانوں کا جوش قابل دیدنی تھا تیسری مرتبہ طلیحہ کے پاس آیا اور وحی کا پوچھا تو طلیحہ نے کہا جبرائیل میرے پاس آیا تھا اور کہہ گیا ہے کہ تیرے لئے وہی ہوگا جو تیری قسمت میں لکھا ہے۔

عیینہ نے یہ سن کر کہا کہ لوگو! طلیحہ تو جھوٹا ہے میں تو چلا۔ یہ سننا تھا کہ مرتدین بھاگ کھڑے ہوئے بہت سے لوگ گرفتار ہو کر مسلمان ہو گئے طلیحہ نے سن کر راہ فرار اختیار کی اور ملک شام میں قبیلہ قضاعہ میں بمع اپنی بیوی کے قیام کر لیا۔ جب تمام قبائل مسلمان ہو گئے اور قبیلہ قضاعہ بھی مسلمان ہو گیا تو طلیحہ نے بھی اسلام قبول کر لیا اس وقت فاروق اعظم امیر المومنین تھے۔ طلیحہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

یہاں سے شکست کھانے کے بعد بنو عطفان، بنو سلیم اور بنو ہوازن جواب کے مقام پر جمع ہو گئے اور سلمیٰ بنت مالک بن حذیفہ بن بدر بن شر کو اپنا سردار بنا لیا۔ حضرت خالدؓ نے یہ سنا تو جلد ہی ادھر کا رخ کیا۔ سلمیٰ اپنے لشکر کو تیار کر کے مقابلے پر اتر آئی اور ناقہ پر سوار ہو کر سپہ سالاری کرنے لگی۔ سخت مقابلہ ہوا اور اس کے ناقہ کی حفاظت پر کم و بیش سو مرتد ہلاک ہوئے آخر کار سلمیٰ ہلاک ہوئی اور مرتدین نے راہ فرار اختیار کی۔

سجاح اور مالک بن نویرہ کی سرکوبی

بنو تمیم چند قبائل پر مشتمل اور چند بستیوں میں سکونت پذیر تھے ان کے علاقہ

پر حیات نبوی ﷺ میں چند عامل انہی میں سے مقرر تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ مالک بن نویرہ، وکیع بن مالک، صفوان بن صفوان اور قیس بن عاصم۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر قیس بن عاصم مرتد ہو گیا اس خبر سے مالک بن نویرہ بہت خوش ہوا۔ اور مرتد ہو گیا۔ صفوان رضی اللہ بن صفوان اسلام پر قائم رہے۔ اس پر صفوان رضی اللہ عنہ اور قیس میں جنگ شروع ہو گئی۔ اسی دوران سجاح بنت الحرث بن سوید نے جو قبیلہ ثغلب سے تعلق رکھتی تھی نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا جس کو بنی ثغلب کے سردار ہذیل بن عمران بنی تمر کے سردار عتبہ بن ہلال اور بنی شیبان کے سردار سلیل بن قیس وغیرہ نے تسلیم کر لیا۔ سجاح کے پاس چار ہزار کا لشکر جمع ہو گیا اس لشکر کی خماری نے اس کو مدینہ پر حملہ کرنے کی راہ دکھائی۔ مگر مالک بن نویرہ نے اس کو کہا کہ پہلے بنو تمیم پر حملہ کر کے زیر کر و اور اپنے ساتھ ملاؤ۔ خیر لڑائی ہوئی اور بنو تمیم نے فتح حاصل کی۔ مگر جلد ہی صلح ہو گئی۔

اب سجاح اپنے لشکر کے ساتھ چلی۔ ایک بات قابل ذکر ہے کہ سجاح نے اپنے پیروؤں کے لئے نماز کی پابندی تو قائم رکھی تھی مگر سور کا گوشت کھانا، شراب پینا اور زنا کرنا حلال کر ڈالا تھا۔ اس کی اس مزاج دلی سے بہت عیسائی بھی اپنا مذہب چھوڑ کر اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا اس کے لشکر کثیر کا سن کر مسلیمہ کذاب متردد ہوا اور ادھر سجاح بھی مسلیمہ کذاب سے خائف ہوئی دوسری طرف ان کو حضرت خالد بن ولید سیف اللہ کا بھی خطرہ شدت سے محسوس ہوا۔ جب کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور سرجیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ لئے یمامہ پہنچ چکے تھے۔ ان حالات میں دونوں جھوٹے نبیوں نے باہم مشاورت کر کے چند شرائط طے کر کے باہم نکاح کر

لیا اور تین یوم اکٹھے رہے۔ سجاح کا لشکر آ ہی رہا تھا کہ سیف اللہ کا لشکر آتا دکھائی دیا۔ انہیں دیکھ کر سجاح کے ہمراہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

بنوتمیم پہنچ کر حضرت خالدؓ سیف اللہ نے ان لوگوں سے تعرف نہ کیا جو اسلام پر قائم تھے جب کہ مرتدین کو گرفتار و قتل کر دیا۔

مسیلمہ کذاب کی سرکوبی

فتح مکہ کے بعد جو قبائل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وفود کی صورت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر رہے تھے انہی میں مسیلمہ بن جیب بھی بنوحنیفہ کے وفد میں شامل تھا اپنے قبیلہ میں پہنچ کر اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خط لکھا کہ نبوت میں آپ اور میں دونوں شریک ہیں اس لئے آدھا ملک قریش کا آپ اور آدھا میرا ہوا۔ عہد صدیقی میں جو لشکر حضرت عکرمہؓ کی سرکوبی میں روانہ ہوا تھا جلد بازی میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے بعد صدیق اکبرؓ نے حضرت خالد بن ولید کو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔

شدید ترین جنگ کے بعد مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی مسیلمہ کذاب کو وحشی (قاتل حمزہ) نے نیزہ مار کر ہلاک کیا اور تقریباً سترہ ہزار مرتد ہلاک ہوئے اس خون ریز جنگ کو تاریخ جنگ یمامہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

اسی طرح حطم بن ضبیعہ، یقیط بن مالک کو بھی ختم کیا اور مہرہ کا علاقہ بھی ارتداد سے پاک ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ یمن سے بھی جنگ شدید کے بعد مرتدین کا خاتمہ ہوا۔ یہ بہت سارا کام محض ایک سال کے عرصہ میں مکمل ہوا۔

فتوحات

جہادِ ایران

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب لشکرِ اسامہؓ کو شام کی طرف روانہ فرمایا تھا تو آپؓ ایرانیوں کی طرف سے غافل ہرگز نہ تھے۔ آپؓ نے اس خطرناک حالت اور تشویش افزا ایام میں جب کہ خود مدینہ منورہ کی حفاظت اور بلادِ عرب کے صوبوں میں فتنہ ارتداد کے مٹانے کے لئے افواج کی شدت ضرورت تھی۔ گیارہ لشکروں سے پہلے (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے) ایک لشکر حضرت مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حارثہ کی سرداری میں عراق روانہ کر دیا تھا۔ اور چھاپہ مار لڑائی کا حکم دیا تھا اور حضرت خالدؓ کو حکم دیا تھا کہ یمامہ سے لشکر لیکر فوری طور پر زیرین عراق چلے جاؤ۔

فتح جنگ ذات السلاسل۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے بحکم امیر المومنین ابلہ کے مقابلہ پر قیام کیا اور فوج کو شمار کیا کل اٹھارہ ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر تھا۔ آپؓ کے سامنے ایرانی صوبہ حفیر نامی تھا۔ جس کا گورنر ہرمز نامی نامور جنگجو تھا۔ یہ بہت مشہور و معروف اور دلیر سالار تھا۔
حضرت خالدؓ بن ولید نے اس کو خط لکھ کر اتمام حجت کر دیا۔ خط پا کر ہرمز مقابلے پر آیا۔
حضرت خالد بن ولید نے بھی لشکر کو آراستہ کیا اور تین حصوں میں تقسیم کر دیا ایک کی سالاری حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ دوسرے کی عدیؓ بن حاتم اور تیسرے کی سالاری اپنے تک محدود رکھی۔ تینوں حصوں باری باری لشکر ہرمز کے ساتھ اکٹھے ہو گئے اب

حضرت خالد بن ولید نے حسب دستور ہرمز سے مبارزت طلب کی۔

دونوں سردار آمنے سامنے ہوئے تو سواری سے نیچے اتر آئے ایک وار جناب سیف اللہ نے کیا تو ہرمز نے پینترا بدل کر اپنے آپ کو بچا کر وار کیا جناب سیف اللہ نے نیچے بیٹھ کر اس کلائی پکڑ کر جھٹکا دیا تو تلوار اس کے ہاتھ سے نکل گئی اب دست بدست لڑائی شروع ہوئی۔ حضرت خالدؓ نے اس کو کمر سے پکڑ کر سر سے اونچا اٹھا کو جو پٹخا تو پھر وہ اٹھ نہ سکا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اس کے سینے پر چڑھ کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اب عام جنگ شروع ہوئی ایرانی سپاہی زنجیروں سے ایک دوسرے کو باندھ کر لڑنے آئے تھے کہ کوئی بھاگنے نہ پائے مگر انہی زنجیروں نے ہی انہیں عبرتناک شکست سے دوچار کر دیا۔ اسی وجہ سے اس جنگ کو جنگ سلاسل کہا جاتا ہے۔

فتح جنگ لیس

اس کے بعد حضرت خالد بن ولید نے جنگ دجلہ میں فتح حاصل کی اور جنگ لیس میں ایک عظیم ایرانی لشکر کو شکست فاش دی جس کا سردار مالک بن قیس نامی عرب تھا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ولید نے مبارزت طلب کی اور مالک بن قیس کو ایک ہی وار میں واصل جہنم کر دیا۔

جنگ لیس کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے حیرہ کا محاصرہ کیا اور خاصا طویل محاصرہ کیا جو کہ آخرکار صلح پر ختم ہوا۔ اور دجلہ تک کا سارا علاقہ حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔

اب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقابلہ انبا کے مقام پر ایرانیوں کے عظیم

الشان لشکر سے ہوا۔ اور اللہ کریم نے فتح سے نوازا۔

عین التمر

فتح انبا کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید عین التمر کا رخ کیا جہاں ایرانیوں نے لڑائی کی تیاری مکمل کر رکھی تھی۔ عقبہ بن عقبہ نامی عرب سردار نے مہران نامی ایرانی سالار اعظم سے یہ کہہ کر جنگ کی اجازت چاہی کہ عربوں سے عرب ہی بہتر لڑ سکتے ہیں مہران نے بخوشی اجازت دے دی۔ عقبہ نے حسب دستور میدان میں نکل کر مبارزت طلب کی حضرت خالدؓ ولید نے اس کو فوراً ہی گرفتار کر لیا۔ عقبہ کے گرفتار ہونے کے بعد اس کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس افراتفری میں بہت سے لشکری قتل ہوئے اور بہت گرفتار کر لیا۔ عقبہ کے گرفتار ہونے کے بعد اس کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا اس افراتفری میں بہت سے لشکری قتل ہوئے اور کافی افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ مہران اس قدر خوف زدہ ہوا کہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور قلعہ پر اسلامی افواج کا قبضہ ہو گیا۔

فتح عین التمر کے بعد حضرت خالد بنؓ ولید ملیہ دومۃ الجندل کی فتح بھی حاصل کر چکے ہیں۔ ایران کا کافی علاقہ فتح کر کے حضرت خالدؓ شام کی طرف رخ کرتے ہیں۔ بحکم امیر المومنین صدیق اکبرؓ

فتح یرموک

عہد صدیق اکبر میں جنگ یرموک کی فتح ایک عظیم فتح قرار دی جا سکتی ہے ہرقل روم نے چشمہ یرموک پر ایک عظیم فوج کو اکٹھا کیا اور مسلمانوں کے مقابلے پر کھڑا کر دیا حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک تجربہ کار سپہ سالار کی حیثیت سے تمام حالات پر

نظر رکھی اور کثرت افواج مخالف سے قطعی گھبرائے نہیں۔ رات کو آپ نے لشکر کو بہت سے حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ پر ایک بہادر اور نامور سردار کو مقرر کر دیا۔ اور منتخب سواروں کے ساتھ چالیس ہزار کے اولین دستے کو مار بھگا دیا۔ مسلمان مجاہدین کی دلیری قابل دید تھی حالانکہ تعداد کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا کہ کون ہے جو میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرے گا اسی وقت حضرت ضرار رضی اللہ عنہ بن ازور اور چار سو مجاہدین نے بیعت کی یہ جانبازوں کی جماعت رومیوں کے لشکر میں داخل ہوگئی اور دیوانہ وار لڑنے لگی۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ با آواز بلند سورۃ انفال کی تلاوت کر رہے تھے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ولید، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح، حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل، ضرار رضی اللہ عنہ بن ازور اور حضرت جرجہ رضی اللہ عنہ بن زید نو مسلم نے خوب داد شجاعت دی اور صبح سے شام تک میدان کارزار گرم رہا۔

اسی دوران حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ معہ صاحبزادوں کے شدید ترین زخمی ہیں۔ جلدی سے قریب آئے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا سر اپنے زانو پر رکھا اپنے عزیز ترین دوست کو اس حالت میں دیکھ کر دل بھر آیا۔ منہ میں پانی ڈالتے ہوئے تاریخ رقم کر دی۔ فرمایا اے عکرمہ رضی اللہ عنہ کیا خیال ہے کہ ایک وقت ایسا تھا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمن تھے اور ان کے دین کو ختم کرنا چاہتے تھے اور اب اسی دین کی سربلندی کے لئے جان دے رہے ہو۔"

اس جنگ میں جن نامور مسلمان بہادروں نے جام شہادت نوش فرمایا ان میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عکرمہ، حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن ہشام، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن

سعید حضرت ابان رضی اللہ عنہ بن سعید۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ بن عاص حضرت ہبار بن سفیان۔ حضرت طفیل بن عمرو اور جرجہ بن زید اور جرجہ بن زید جو اسی جنگ میں مسلمان ہوئے تھے۔

اس جنگ کے خاتمہ کے بعد یا دوران جنگ ہی حضرت ابوبکر صدیق خالق حقیقی سے جا ملے لیکن حضرت فاروق اعظم کو جانشین بنا گئے۔

عمال عہد صدیق

عہد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں امین الملت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح بیت المال کے افسر اور مہتمم یعنی وزیر خزانہ تھے۔

حضرت فاروق اعظم نظام عدل یعنی محکمہ قضا کے مہتمم تھے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عثمان غنی کو دفتری امور اور کتابت کی ذمہ داری تفویض کر رکھی تھی۔

مکہ معظمہ کے عامل حضرت عقاب رضی اللہ عنہ بن اسید تھے۔ انہوں نے بھی اسی روز انتقال کیا جس دن سیدنا صدیق اکبر نے وفات پائی۔

طائف کے عامل حضرت عثمان بن عاص تھے صنعاء میں مہاجر رضی اللہ عنہ بن امیہ اور حضر الموت میں زیاد بن لبید عامل تھے۔

صوبہ خولاں میں یعلیٰ رضی اللہ عنہ بن امیہ یمن میں حضرت موسیٰ اشعری جند میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل، بحرین میں حضرت علاء بن حضرمی نجران میں جریر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ۔ دومۃ الجندل میں عیاض بن غنم۔ عراق میں مثنیٰ بن حارث عامل مقرر تھے۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو آخری وقت میں سپہ سالار بنا کر شام بھیج دیا گیا تھا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید خلافت صدیقی میں سپہ سالار اعظم کے عہدے پر فائز

رہے۔ اور خلافت صدیقی میں آپ کو وہی نسبت رہی جو رستم کو کیکاوس اکو خسرو کی سلطنت سے تھی۔

اولاد اور ازواج

حضرت صدیق اکبر کی پہلی بیوی قفیلہ بنت عبدالعزیٰ تھی جس سے عبداللہ اور حضرت اسماء پیدا ہوئیں دوسری بیوی حضرت ام رومانؓ تھیں جن کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰن اورام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ پیدا ہوئیں۔

پہلی بیوی کو اسلام نہ قبول کرنے کی وجہ سے طلاق دے دی۔ تیسرا نکاح حضرت اسماءؓ بنت عمیس سے جو جعفر بن ابو طالب کی بیوہ تھیں کیا جن کے بطن میں حضرت محمد بن ابوبکر تھے کہ آپ کا انتقال ہوگیا انہوں نے بعد میں حضرت علی سے نکاح کرلیا اور محمد بن ابوبکر کی پرورش حضرت علی نے کی۔ چوتھی بیوی آپ کی حضرت حبیبہؓ بنت خارجہ انصاریہ تھیں ان سے ایک بیٹی ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آئیے روشنی حاصل کریں

از کتاب مستطاب

مسلکِ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

الحاج علامہ مولانا محمد مقصود احمد چشتی قادری صاحب

کرمانوالہ بک شاپ
دوکان نمبر ۲، دربار مارکیٹ لاہور

سیدنا عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۸۶ء تا ۶۴۴ء

مائیکل ہرٹ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''دی ہنڈرڈ، باب نمبر ۵۳ میں رقمطراز ہے کہ۔

ترجمہ: ''عمرؓ بن الخطاب دوسرے اور عظیم ترین خلیفۃ المومنین تھے۔ آپؓ محمد (ﷺ) سے کم عمر تھے اور پیغمبروں جیسی شان والے تھے (اس قسم کی حدیث بھی ہے کہ'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں آخری نبی ہوں۔ میری بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا) آپؓ مکہ میں پیدا ہوئے ان کی تاریخ ولادت معلوم نہیں ہو سکی لیکن شاید آپ ۵۸۶ء کو مکہ میں پیدا ہوئے۔

حضرت عمر حقیقی معنوں میں محمد (ﷺ) اور نئے مذہب کے بہت شدید مخالف تھے۔ حالات نے پلٹا کھایا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور اب وہ اسلام کے بہت بڑے مددگار بن گئے۔ ایسے ہی جیسے عیسائیت میں سینٹ پال نے نام پایا اور مذہب کو زندہ کیا) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بہت جلد محمد (ﷺ) کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہونے لگے اور یہ سلسلہ محمد (ﷺ) کی زندگی تک چلتا رہا۔

جب ۶۳۲ء میں محمد (ﷺ) نے بغیر جانشین بنائے وفات پائی تو عمرؓ نے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بطور خلیفہ حمایت اور امداد کی جو کہ پیغمبر کے قریبی ساتھی اور سسر بھی تھے انہوں نے خود خلافت جیسی طاقت کو نظر انداز کر کے ابو بکرؓ کو خلیفہ بنانے کو ترجیح دی۔ یوں ابو بکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) محمد (ﷺ) کے پہلے خلیفہ بن گئے۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کامیاب راہنما ثابت ہوئے۔ مگر محض دو سال بعد انتقال کر گئے۔ انہوں نے خلافت کے لئے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا نام تجویز کیا۔ (جو کہ محمد ﷺ کے سسر تھے) یوں عمرؓ ۶۳۴ء میں دوسرے خلیفہ بن گئے۔ اور ۶۴۴ء تک حکمران رہے۔ جب انہیں ایک ایرانی غلام نے شہید کر دیا۔ زخمی ہونے کے بعد جب انہیں بچنے کی امید نہ رہی تو انہوں نے نئے خلیفہ کے چناؤ کے لئے چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی یوں تیسرے خلیفہ کا انتخاب ہوا جس کا دورانیہ ۶۴۴ء تا ۶۵۶ء تک رہا۔

عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی دس سالہ دور خلافت کو عرب تاریخ میں عظیم فتوحات کے سلسلہ میں بہت اہم مقام حاصل ہے۔ اس مختصر عرصہ میں عرب افواج نے شام اور فلسطین کو فتح کیا۔ جہاں اس وقت ایک عظیم حکومت یعنی بازنطینی حکومت تھی۔ جنگ یرموک جو کہ ۶۳۶ء میں لڑی گئی۔ اس میں عربوں نے ایک عظیم الشان فتح حاصل کی اور بازنطینی فوجوں کو عبرت ناک شکست دی دمشق بھی اسی سال فتح ہوا۔ اور محض دو سالوں کے بعد یروشلم (بیت المقدس) بھی فتح ہو گیا۔ یوں ۶۴۱ء تک تمام ملک شام اور فلسطین عربوں کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا۔ آج کل ان علاقوں کو ترکی کہا جاتا ہے ۶۳۹ء میں عرب افواج نے مصر پر چڑھائی کی اور صرف تین سالوں میں بازنطینی حکومت کو ختم کر دیا جو کہ ایک بہت بڑی قوت تھی اس طرح پورے مصر پر عربوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

اب عربوں نے عراق پر حملہ کر دیا، اسی دوران انہوں نے ایرانی حکومت کا بھی خاتمہ کر ڈالا۔ اس تمام کارروائی کے احکامات عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے دفتر

سے مسلسل جاری ہوتے رہے۔عربوں کی ایک کلیدی فتح جس کو جنگ قادسیہ کہا جاتا ہے ۶۳۷ء میں لڑی گئی اس کی فتح نے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی فتوحات کو امر کر دیا۔ ۶۴۱ء سے تمام عراق عربوں کے زیر تسلط ہو گیا۔اب عرب افواج نے ایران کا رخ کیا۔یہاں بھی ایک بہت بڑی جنگ ۶۴۲ء میں لڑی گئی جس کو جنگ نہاوند کہا جاتا ہے۔اس جنگ میں عربوں نے دوسری عظیم الشان مملکت کو شکست فاش دی۔ابھی فتوحات جاری تھیں کہ ۶۴۴ء میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ابھی مغربی ایران پر فوج کشی جاری تھی۔مگر عرب افواج نے جنگ جاری رکھی مشرق کی جانب بھی جلد ہی عربوں نے فتوحات حاصل کیں۔اور مغربی ایران کو فتح کرنے کے بعد انہیں شمالی افریقہ کی طرف دھکیل دیا۔

ایران کی فتوحات میں عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی فتح دراصل یہ چیز تھی کہ ایران کی غالب اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔اور یہ عربوں کی آزادانہ پالیسوں کی وجہ سے ممکن ہوا مگر ایسا شام، مصر اور عراق میں نہیں ہوا۔

عمرؓ واقعی ایک عظیم منصوبہ ساز شخصیت تھے جنہوں نے عظیم الشان فتوحات حاصل کیں اور افواج کے حوصلوں کو بلند کرتے رہے۔انہوں نے افواج کو قبائل کی سطح پر رکھا اور سرداروں کو انہی کے لوگوں پر سردار بنایا تاکہ کسی قسم کی افراتفری پیدا نہ ہو کیوں کہ اس وقت قبائل کا زمانہ تھا۔اور ہر قبیلہ کی اپنی اپنی فوج تھی جو کہ باقاعدہ ہرگز نہ تھی۔مگر ان کو بزور قوت اسلام میں داخل نہیں کیا گیا تھا۔لیکن بحرحال اس کو عربوں کی قومی حمیت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

عمر کی کامیابیاں بہت ہی متاثر کن ہیں۔محمد ﷺ کے بعد وہ ہی ایک نمایاں

شخصیت اور اسلام کو تقویت دینے والی شخصیت تھے۔ ان کی فتوحات عربوں کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی جس قدر عمر کے دور حکومت میں عربوں کو نصیب ہوئی۔ یقینی طور پر حقیقی طور پر بھی محمد ﷺ نے ان کے سوچنے سمجھنے کے رخ بدل ڈالے تھے۔ اور ان کی بہترین تربیت کی تھی۔ مگر عمرؓ کی صلاحیتوں کو نظر انداز کرنا، ایک بہت بڑی حماقت ہو گئی۔ یہ فتوحات جو انہوں نے حاصل کیں۔ محمد ﷺ کی شخصیت کی اثر اندازی کی وجہ سے نہیں تھیں۔ کچھ اثر ضرور تھا۔ مگر یہ سب کچھ عمرؓ کی روشن دماغ اور عظیم الشان راہنمائی کے بغیر کسی طرح بھی ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ مغرب میں اکثر لوگ عمرؓ کی ہمہ پہلو شخصیت سے واقف نہیں۔ ان کا مقام بہت سے نامور فاتحین سے بلند تر ہے۔ جن میں چارلی میگلین اور جولیس سیزر بھی شامل ہیں۔ عربوں کی فتوحات جو عربوں نے عمر کے عہد میں حاصل کی وہ کم عرصہ میں بہت زیادہ تھی۔ جس کا تصور بھی جولیس سیزر اور چارلی میگلن نہیں کر سکتے تھے۔"

قبول اسلام

بعثت نبوی ﷺ کے وقت قبیلہ قریش میں دو افراد کو باقیوں پر عمدہ مقام حاصل تھا انہی دونوں پر رسول اللہ ﷺ کی نگاہ مقدس ٹھہری اور اللہ کریم کے حضور رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ۔

"اے اللہ رب العزت! اسلام کو عمر بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعہ تقویت بخش دے۔ ان دونوں میں سے جو بھی تجھے محبوب ہو اس کو

مشرف بہ اسلام کردے''

یہ ایک نبی علیہ السلام برحق کی دعا تھی۔ اور قبولیت کے لئے اللہ کریم ہی کی ذات اقدس تھی۔ دنیا میں اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی انسانی صلاحتیں بیدار نہیں ہوتیں۔ اور اگر بیدار ہو بھی جائیں تو ان کا رخ متعین نہیں ہو پاتا۔ بعض اوقات وہ تعمیری نتائج کے بجائے تخریبی نتائج کے حامل قرار پاتے ہیں۔ ایسے افراد کے لئے رسول کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مناسب تعلیم و تربیت سے پہلے ان کی انسانی صلاحیتوں کو بیدار کرے اور پھر ان کا رخ صحیح سمت میں متعین کرے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ پاک کے حضور دعا فرمائی تھی۔

''اے اللہ میری قوم میں ایک رسول مبعوث فرما جو لوگوں کے نفوس کو پاک کرے اور حکمت کی کتاب پڑھائے۔''

یہی صورت حال حضور پرنور علیہ السلام کی اس دعا میں بھی نظر آتی ہے دونوں یعنی ابوجہل اور فاروق اعظم میں خصوصیات تو بے اندازہ تھیں مگر ان خصوصیات کا رخ متعین ہرگز نہیں ہوا تھا۔ ابوجہل حد درجہ مغرور سنگدل اور کینہ پرور تھا۔ مگر خصوصیات بھی رکھتا تھا اور جہالت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ عمر بن ہشام کی خصوصیات کو صحیح سمت نہ مل سکی اور وہ قیامت تک کے لئے ابوجہل بن گیا اور عمر بن خطاب کی خصوصیات کو صحیح سمت مل گئی تو وہ فاروق اعظم بن گئے۔

اسلام کی مخالفت

حضور اکرم علیہ السلام نے تبلیغ اسلام میں جو نظریات پیش کئے ان کو اہل قریش

اور دیگر عرب اقوام اپنے قدیم تمدن و معاشرتی نظام اور تصورات و نظریات زندگانی کے لئے مکمل طور پر خطرہ محسوس کرتے تھے۔ اور اسی لئے اسلام کی مخالفت میں شدت برتتے تھے حضرت عمر بھی انہی کا حصہ تھے آپ انتہائی مخلص اور انتہا پسند تھے چنانچہ اس مخالفت میں بھی پیش پیش تھے۔ مگر سنگدل ہرگز نہ تھے۔ چونکہ بچپن سے ایک ہی نظام کو دیکھا تھا اب نیا نظام سامنے آیا تو کچھ پس و پیش تو کرنا لازمی امر تھا۔

اسلام قبول کرنے کا موقع جو عام طور پر مشہور ہے وہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کرنے کے ارادے سے نکلے کہ اثنائے راہ میں حضرت نعیمؓ بن عبداللہ سے ملاقات ہوگئی انہوں نے پوچھا کہ اے عمر! دوپہر کی سخت گرمی میں کس طرح جا رہے ہو اور لگتا ہے بہت غصہ میں بھی ہو آپ نے جواب دیا کہ (نعوذ باللہ) اس بے دین کی طرف جس نے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ انہیں بے وقوف بناتا ہے اور ان کے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ میں اس کو ہی ختم کرنا چاہتا ہوں۔

اس جواب کو سن کر حضرت نعیمؓ نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ

''اے عمر! تم ٹھیک راستے پر نہیں چل رہے ہو اگر تم نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا تو سوچو کہ کیا بنو عبد مناف تمہیں زندہ چھوڑیں گے۔''

یہ بات سن کر حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ لگتا ہے کہ تو بھی بے دین ہو گیا ہے اگر مجھے پہلے اس بات کا علم ہوتا تو تجھی سے ابتداء کرتا۔

حضرت نعیمؓ نے اس بات پر فرمایا کہ ابتداء اگر کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے گھر سے کرو کیونکہ تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگ بگولہ ہو کر اپنی بہن کے گھر آئے اور سنا کہ بہن اور بہنوئی سورۃ طٰہٰ کی تلاوت میں مشغول ہیں۔ آواز دی تو تلاوت بند ہو گئی۔ حضرت عمر اندر آئے تو پوچھا کہ تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے۔ دونوں نے چھپایا۔ مگر حضرت عمرؓ نے اپنے بہنوئی حضرت سعیدؓ کو مارنا شروع کر دیا۔ بہن چھڑانے کے لئے آگے بڑھیں تو ان کو بھی زدوکوب کیا۔ بہن کا خون نکل آیا تو حضرت عمر نے نرمی سے پوچھا کہ تم لوگ مجھے دکھاتے کیوں نہیں ہو کہ کیا پڑھ رہے تھے انہوں نے بتایا کہ اس کو ناپاک لوگ ہاتھ نہیں لگا سکتے پہلے غسل کرو۔ بحرحال غسل کرنے کے بعد آپ کو اوراق قرآن تھمائے گئے تو آپ پر بہت اثر ہوا۔ ان سے پوچھا کہ بتاؤ محمد ﷺ کہاں ہیں آپ کو بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ دارالارقم میں مقیم ہیں۔

آپؓ وہاں پہنچے آواز دی تو اندر موجود صحابہ کرام کو خوف لاحق ہوا تو اسد اللہ اور اسد الرسول ﷺ حضرت امیر حمزہؓ نے فرمایا کہ اگر تو عمر نیک ارادے سے آیا تو ٹھیک ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اندر آنے کی اجازت دی جب حضرت عمرؓ اندر آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہو عمر کیسے آنا ہوا۔ حضرت عمر بولے کہ یہ گواہی دینے کے لئے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اس کے سچے نبی ہیں یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے زوردار آواز میں نعرہ تکبیر بلند کیا۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام میری نظر میں ایک اتفاقی واقعہ ہرگز نہیں تھا۔ جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ حضرت عمر انتہا پسند تھے۔ مگر ہٹ دھرم نہیں تھے۔ اس لئے ایک اتفاقی واقعہ آپ کی زندگی کے رخ کو بدلنے کی وجہ نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت قریش کے سترہ خواندہ لوگوں میں آپکا شمار ہوتا تھا اس کے علاوہ آپ تجارت پیشہ تھے تجارت کی غرض سے آپ اکثر و بیشتر دور دراز علاقوں کا سفر بھی کرتے رہتے تھے۔ اور علم حاصل کرنے کا ان کو بے حد شوق تھا۔ اسی مقصد کے لئے انہوں نے لاطینی زبان بھی سیکھی تھی کہ تورات کو اچھی طرح پڑھ کر سمجھ سکیں۔

ایک بیدار مغز سردار سے یہ بات بہت مشکل معلوم ہوتی ہے کہ ایک پڑھا لکھا شخص ایک دم ہی سے اپنے اصولوں کو پس پشت ڈال دے۔ یہ تو کسی طور بھی ممکن نہیں کہ حضرت عمر نے ان حالات پر ٹھنڈے دل سے غور نہیں کیا ہوگا۔ حالانکہ اس وقت تک چالیس کے قریب لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ جن میں صدیق اکبرؓ اور امیر حمزہؓ جیسے سر برآوردہ لوگ بھی شامل تھے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے قبول اسلام کا اثر حضرت عمر پر نہیں ہوا ہوگا۔ اور یہ بات بھی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ کلام اللہ شریف کی آیات مبارکہ کو پہلی مرتبہ انہوں نے اپنی بہن کے گھر سنا ہوگا۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے تو اسلام کی دعوت بھی پہاڑ پر چڑھ کر دی تھی۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ پورا مکہ تو یہ آواز سن لے مگر عمر نہیں۔

حضرت عمرؓ یقینی طور پر اس دعوت برحق سے واقف تھے اور چھ سال انہوں نے انتہائی سوچ بچار میں گزارے ہوں گے۔ ساتھیوں سے مشورے بھی کئے ہوں گے اور یوں رفتہ رفتہ ان کی قلبی کیفیت تبدیل ہوتی چلی گئی ہوگی۔ اس سلسلے میں ایک روایت حضرت عمرؓ کی خود اپنی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ ''ایام جاہلیت میں شراب کا رسیا تھا۔ روزانہ رات کو دوستوں کے ساتھ شراب کی محفل ہوتی تھی۔ ایک رات جب میں وہاں پہنچا تو وہاں کوئی بھی نہیں

تھا۔ دوستوں کو متوقع جگہوں پر بھی تلاش کیا۔ مگر کوئی بھی نہ ملا۔ گھر واپس جانے سے پہلے یونہی خیال آیا کہ گھر جانے سے پہلے کیوں نہ طواف ہی کرلوں۔ حرم کعبہ سنائے میں ڈوبا ہوا تھا لیکن ایک شخص صرف موجود تھا۔ اور کچھ پڑھ رہا تھا۔ میں نزدیک پہنچا تو آواز سے معلوم ہوا کہ محمد ﷺ ہیں میں نے دل میں خیال کیا کہ اس سے بہتر موقع تو کبھی مل ہی نہیں سکتا۔ سننا چاہیے کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ میں غلاف کعبہ میں چھپ کر رسول اللہ ﷺ کی آواز سنتا رہا۔

رسول اللہ ﷺ تلاوت فرماتے جا رہے تھے۔ اور میں روتا جا رہا تھا یہاں تک کہ آپ نے نماز ختم فرمائی۔ اب آپ نے گھر جانے کا ارادہ فرمایا تو میں بھی چپکے چپکے ان کے ساتھ چلنے لگا۔ ایک جگہ آہٹ سن کر آپ نے مجھے دیکھ لیا اور بولے کہ ابن خطاب تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو۔ میں نے عرض کیا۔

''کہ اللہ پر اور آپ پر ایمان لانے کے لئے''

یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ یہ اس دعا کی قبولیت ہے جو کہ تین روز پہلے رسالت ماب نے مانگی تھی ورنہ شراب اور مکہ میں نہ ملتی اور دوستوں کو بھی کسی نے چھپایا تو نہیں تھا۔ لیکن جب حبیب کبریا کی دعا قبول ہو چکی تھی تو محض ایک بہانہ ہی بننا تھا۔ سو بن گیا اور مکہ معظمہ میں طلوع ہونے والے سورج نے دیکھا کہ مشرکین نے یہ سنا کہ عمر مسلمان ہو گیا ہے تو مشرکین کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاروق اعظمؓ نے اسلام قبول کیا تو پوچھا کہ قریش کا سب سے بڑا ڈھنڈورا پیٹنے والا کون ہے۔ آپؓ کو بتایا گیا کہ ایک ہی آدمی سب سے بڑا ڈھنڈورچی ہے اور وہ ہے جمیل بن معمر جمعی اب کیا تھا

صبح سویرے حضرت عمرؓ اس کے پاس جا پہنچے۔ پیچھے پیچھے میں بھی چلا گیا تا کہ یہ دیکھوں کہ اصل ماجرہ کیا ہے۔ حضرت عمرؓ اس کے پاس پہنچے اور اس کو کہا کہ اے جمیل! کیا تم یہ جانتے ہو کہ میں اسلام لے آیا ہوں! اور محمد ﷺ کے پیچھے دین میں داخل ہو چکا ہوں۔ یہ سن کر جمیل کچھ بھی نہیں بولا اور اپنی چادر کھینچتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ جس طرف جمیل نے رخ کیا حضرت عمرؓ بھی اسی طرف چلے اور میں دونوں کے پیچھے تھا۔

جمیل نے مسجد الحرام کے دروازے پر کھڑے ہو کر اپنی مخصوص آواز میں حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔ اے اہل قریش! سن لو کہ یہ عمر بن خطاب بے دین ہو گیا ہے حضرت عمرؓ جلدی سے آگے بڑھے اور فرمایا کہ یہ جھوٹ کہتا ہے میں تو مسلمان ہو گیا ہوں اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں۔

اتنا سننا تھا کہ سب لوگوں نے حضرت عمرؓ پر دھاوا بول دیا یوں ہی لڑتے جھگڑتے سورج سر پر آ گیا اور حضرت عمرؓ تھک کر ایک طرف بیٹھ گئے جب کہ لوگ ان کے گرد کھڑے ہو گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے جاتے تھے کہ جو بھی تمہارے جی میں آئے کرو۔ اللہ رب العزت کی قسم جب بھی ہم تین سو آدمی ہو جائیں گے تو پھر یا تو ہم تمہارے لئے اس زمین کو چھوڑ دیں گے یا تم ہمارے لئے چھوڑ دو گے۔ اسی اثناء میں ایک بوڑھا آدمی یمنی چادر اوڑھے اور دھاری دار قمیض پہنے آیا لوگوں سے پوچھا کہ ماجرہ کیا ہے لوگوں نے بتایا کہ عمرؓ بن خطاب بے دین ہو گیا ہے۔ بوڑھا شخص بولا پھر تمہیں کیا! چھوڑو ایک اکیلا آدمی ہے۔ اس نے اپنے لئے ایک بات پسند کی ہے

کیا ارادہ ہے۔ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اگر تم اسے کچھ نقصان پہنچاؤ گے تو کیا بنو عدی تمہارے مخالف نہیں ہو جائیں گے اسے جانے دو۔ سب لوگ یکبارگی ادھر ادھر ہو گئے۔ تھوڑے عرصہ بعد ہجرت مدینہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ صاحب حضرت عمروؓ کے والد عاص بن وائل سہمی تھے۔

یہ ہے اصول پسندی کہ جب مخالفت کی تو ڈنکے کی چوٹ پر کی اور جب حمایت کی تو جان ہتھیلی پر رکھ لی اور بہادروں کی طرح اپنے قبول اسلام کا اعلان فرمایا۔ کہ بعد میں کسی کے دل میں یہ خیال نہ پیدا ہو جائے کہ عمرؓ نے چھپ کر اسلام قبول کیا۔ یہی آپؓ کی انتہا پسندی تھی کہ ہر چیز کا نتیجہ فوری چاہتے تھے۔ اسی اصول پسندی کا ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ

''اسی پناہ دہی کے بعد میں اکثر دیکھتا کہ عام مسلمانوں کو زدوکوب کیا جاتا ہے جب کہ میں ہر طرح سے محفوظ ہوں۔ تب میں نے دل میں کہا کہ اے ابن خطاب تمہیں یہ کب زیب دیتا ہے کہ مسلمان بے چارے اذیتیں اٹھائیں اور تم اطمینان سے بیٹھے رہو چنانچہ میں اٹھا اور سیدھا کعبہ پہنچا جہاں عاص بن وائل سہمی دیگر زعمائے قریش کے ساتھ تھے۔ میں نے وہاں پہنچ کر پہلے تو عاص کی پناہ اس کو واپس کی۔ عاص نے بہت کہا کہ اس طرح تم خطرات مول لے رہے ہو۔ مگر میں نہیں مانا۔ اس کے بعد لوگوں نے مجھے مارا اور میں نے لوگوں کو۔ حتی کہ اللہ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حضرت فاروق اعظم

اکثر اس بات کا اصرار کرتے رہے کہ ہمیں اعلانیہ تبلیغ کرنا چاہیے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہؓ کے باہم مشورے سے آپؓ کی تجویز مان لی۔ اب طے پایا کہ پرچم لے کر چلنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ دو صفوں کے جلو میں باہر تشریف لائے اور وہ اس طرح کہ ایک صف کے آگے حضرت امیر حمزہؓ اور دوسری صف کے آگے حضرت فاروق اعظمؓ تھے۔ اس شان سے اہل اسلام کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے اہل قریش کو کچھ بھی کہنے سننے کی جرات نہ ہو سکی۔ اور مسلمانوں کا حرم کعبہ میں داخلہ کھل گیا۔ اور مسلمانوں نے کعبہ میں نماز پڑھنا شروع کر دی۔ اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو فاروق کا لقب عطا فرمایا۔

ہجرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جب ہجرت مدینہ کا حکم رسالت مآب ﷺ نے عام مسلمانوں کو دے دیا۔ تو مسلمانوں نے عام طور پر چپکے چپکے ہجرت کرنا پسند کیا۔ لیکن حضرت فاروق اعظم نے چونکہ ہر بات انفرادیت کو پسند فرمایا تھا اس لئے قبول اسلام اور اعلان قبول اسلام کی طرح ہجرت کو بھی کھلے عام ہی کرنا پسند فرمایا۔ یوں نہیں کہ راتوں کو چلے اور دن کے اجالے میں چھپے رہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ

میں نہیں جانتا کہ عمرؓ بن خطاب کے علاوہ کسی نے اعلانیہ ہجرت مکہ سے مدینہ کی طرف کی ہو وہ اس طرح کہ جب وہ ہجرت کی غرض سے نکلے تو اس شان سے نکلے کہ تلوار کو گلے میں لٹکایا، کمان کندھے پر لٹکائی، تیروں کو مٹھی میں لیا اور نیزہ کمر سے

باندھ کر کعبۃ اللہ کی طرف بڑھے اس وقت اہل قریش کعبہ میں کافی تعداد میں موجود تھے۔ انہوں نے کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے پہلے تو طواف کعبہ کیا پھر نماز پڑھی۔ اب تمام گروہان قریش کے پاس باری باری گئے اور انہیں کہا کہ تمہیں روسیاہی ہو اللہ تمہارے جیسوں کو مغلوب اور ذلیل کرتا ہے۔ جو کوئی اپنی ماں کو ماتم گسار اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ کرنا چاہتا ہے وہ مجھے ہجرت سے روکے۔ میں مدینہ منورہ ہجرت کرر ہا ہوں۔

وہاں سے باہر نکلے اور بیس سواروں کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب دن کی روشنی میں ہجرت فرمائی۔

خلافت فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۶۳۴ء ۶۴۴ء

سیدنا فاروق اعظم کی خلافت سے قبل تھوڑا سا غور خلافت صدیقی پر بھی کر لینا عین مناسب ہے۔ اس کی تفصیل آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ کہ کس طرح حضرت عمر فاروق نے خلافت کا بوجھ قبول کرنے میں صدیق اکبرؓ کی حمایت و تکریم فرمائی۔ اس سلسلہ میں حضرت فاروق اعظم کا کردار قطعی ایسا تھا کہ خلافت کو اس کے اہل کے سپرد کیا جائے۔ حالانکہ اگر آپؓ خود خلافت کو پسند کرتے تو بظاہر کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی۔ جب خلافت صدیقی کا مرحلہ بحسن و خوبی طے پا گیا تو خاندان ضبیعہ کا ایک مرد روایت کرتا ہے کہ وہ ایک دن جب کہ حضرت صدیق اکبرؓ خلافت کے بعد رنجیدہ ہو کر گھر بیٹھ گئے تو فاروق اعظم آپؓ کے پاس آئے اور عرض کیا اے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیوں امور خلافت میں دلچسپی نہیں لے رہے تو آپؓ نے

فرمایا کہ اے عمرؓ تم نے ہی مجھے اس امر کی تکلیف دی تھی اور حکم بھی دیا تھا۔

حضرت عمرؓ بولے کیا آپ کو اس بات کا علم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا ہے کہ حاکم اگر اجتہاد کرے اور اجتہاد کر کے حق پر پہنچ جائے تو اسی کے لئے دو اجر ہیں اور اگر باوجود اجتہاد کے حق سے خطا کر جائے تو صرف ایک ہی اجر ہے پس گویا اس قول سے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو قائل کرلیا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے مرض الموت میں کہا کہ مجھے کسی چیز کا رنج نہیں۔ مگر تین باتوں کا جو میں نے کیں اور مجھے پسند یہ تھا کہ نہ کرتا اور تین باتیں ایسی ہیں کہ جو میں نہیں کیں اور مجھے پسند تھا کہ انہیں کر گزرتا اور تین باتیں ایسی ہیں کہ مجھے پسند ہے کہ حضور ﷺ سے ان کے بارے میں دریافت کرلیتا۔

وہ یوں کہ سقیفہ بنی عاعدہ کے دن ہی امر خلافت کو دو آدمیوں میں سے کسی ایک کی گردن پر ڈال دیتا ابوعبیدہؓ بن جراح یا پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب ان دونوں میں سے کوئی ایک خلیفہ ہوتا اور میں وزیر اور یہ بھی مجھے پسند تھا کہ جب میں نے خالدؓ کو شام کی طرف روانہ کیا تو عمرؓ کو عراق کی طرف روانہ کردیتا تا کہ میں اللہ کو بتا سکتا کہ میں۔ نے اپنے دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا دیئے تھے۔ اسی طرح مجھے یہ بھی پسند ہے کہ میں رسول ﷺ سے پوچھ لیتا کہ یہ امر خلافت کن میں رہے گا۔ یوں اس کے بارے میں کوئی ابہام نہ رہتا۔

حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو عبدالرحمٰن بن عوف کو بلوایا اور پوچھا کہ بتاؤ!

عمر بن خطاب کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے عرض کیا کہ آپ مجھ سے ایسی بات پوچھ رہے ہیں جس کو مجھ سے کہیں بہتر آپ خود جانتے ہیں۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا ہاں اگرچہ جانتا ہوں پھر بھی تم کچھ تو کہو۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا جن لوگوں کے بارے میں آپ جانتے ہیں ان میں سب سے افضل ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے بعد صدیق اکبر نے عثمانؓ بن عفان کو بلوایا اور یہی گفتگو ان سے بھی کی۔ حضرت عثمانؓ بن عفان نے عرض کیا کہ آپ کو ہم لوگوں سے زیادہ ان کے بارے میں علم ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اصرار فرمایا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ''اللہ کی قسم جہاں تک مجھے ان کے بارے میں علم ہے وہ یہ ہے کہ ان کا باطن ان کے ظاہر سے کہیں بہتر ہے۔ اور سچ بات تو یہ ہے کہ ہم سب میں ان جیسا کوئی بھی نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ سبحان اللہ اللہ تم پر رحم کرے اللہ کی قسم تم اگر یہ نہ بھی کہتے تو میں تم سے زیادہ نہیں کہہ سکتا تھا۔

ان دونوں کے علاوہ صدیق اکبرؓ نے سعیدؓ بن زید، ابوالاعورؓ اور اسیدؓ بن حضیر کے ساتھ ساتھ دیگر مہاجرین و انصار کے ساتھ بھی مفصل مشاورت کی۔ اور ایک دستاویز تحریر کرنے کے بعد سیدنا عثمانؓ بن عفان کو حکم دیا۔ اور یہ بھی کہا کہ جو تم لوگوں کے علاوہ لوگ ہیں انہیں اس گفتگو کی خبر تم لوگ دے دینا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیٹ گئے۔ اور وصیت تحریر فرمائی حضرت عثمان بنؓ عفان نے اس تاریخی وصیت کو تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ وہ معاہدہ ہے جو ابوبکرؓ ابی قحافہؓ نے اپنی دنیا کی آخری زندگی میں

دنیا سے رخصت ہوتے وقت اور آخرت کے زمانہ کے شروع میں داخل ہوتے ہوئے کیا ہے وہ آخرت جہاں کافر بھی مومن ہوگا اور فاجر بھی یقین کرے گا۔ اور آخرت کو جھٹلانے والا بھی اس کی تصدیق کرے گا۔ بے شک میں اپنے بعد تم لوگوں پر عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ بنا چلا ہوں۔ ان کا کہنا سننا اور ان کی اطاعت کرنا۔ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین اور اپنے نفس اور تم لوگوں کے ساتھ بھلائی میں کمی نہیں کی۔ اگر عمرؓ نے عدل کیا اور میرا ان کے متعلق یہی گمان ہے اور یہی علم ہے اور اگر اس کے خلاف کیا تو پھر ہر آدمی کے لئے اس کے کسب کردہ کی جزا ہے۔ میں نے تو بھلائی ہی کا ارادہ کیا ہے۔ اور غیب کا علم مجھے ہرگز ہرگز نہیں۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ

ترجمہ: اور بہت جلد ان لوگوں کو پتہ چل جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ کونسی کروٹ پر پلٹ گئے۔ والسلام وعلیکم ورحمتہ اللہ۔

یہ سب کچھ لکھوا کر پڑھا اور مہر لگانے کا حکم جاری فرمایا اور لوگوں کو بتانے کے لئے کہا۔ حضرت عثمان وصیت لئے ہوئے باہر آئے آپؓ کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ اور اسیدؓ بن سعید قرظی تھے۔ عام لوگوں کو دکھایا گیا۔ ایک جگہ لوگوں کو دکھا رہے تھے اور پوچھ رہے تھے کہ جس شخص کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ کو تحریر فرمایا کہ تم لوگ اس سے متفق ہو تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بے ساختہ فرمایا کہ ہاں عمرؓ ہیں اور ہم اس بات سے متفق ہیں اس طرح عام مسلمانوں نے بھی اقرار کرلیا۔ جب سب طرف سے اطمینان کی خبر ملی تو حضرت عمرؓ کو اپنے پاس بلوایا اور جو بھی نصیحت کرنا تھی کی

جب حضرت عمرؓ واپس چلے گئے تو دعا کے لئے ہاتھوں کو بلند فرمایا اور کہا ''اے میرے اللہ! میں نے اس کام سے بجز لوگوں کی صلاح کے اور کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا اور مجھے لوگوں پر فتنہ کا خوف تھا میں نے لوگوں کے بارے میں وہ کیا جس سے تو خوب واقف ہے اور میں نے لوگوں کے لئے اپنے اجتہاد سے ایک رائے قائم کی ہے۔ میں نے لوگوں پر ان میں سے بہتر آدمی کو والی بنایا ہے۔ وہ لوگوں میں سے اس کام پر زیادہ قوی ہیں اور تمام لوگوں میں سے اس چیز کا زیادہ اہل ہے۔ جو لوگوں کی بھلائی کا راستہ دکھائے اور میرے لئے تیرے امر سے وہ چیز حاضر ہوگئی جو حاضر ہوئی (یعنی موت) اے اللہ! تو میری طرف سے لوگوں میں خلیفہ ہو جا یہ تیرے بندے ہی ان کی پیشانیاں تیرے ہاتھ میں ہیں ان کی اصلاح فرما اور ان کے ساتھ بھلائی کر اور اس کو (عمرؓ) اپنے بھلے خلفاء میں سے کر دے جو تیرے نبی رحمت کی ہدایت کا اتباع کرے اور ان بھلے لوگوں کی جو نبی ﷺ کے بعد انہی کی اتباع کرے اور اس کے لئے اس کی رعایا کی اصلاح فرما۔

خطبہ خلافت

جناب صدیق اکبر ۲۳ جمادی الثانی ۱۳ھ بمطابق ۲۲ اگست ۶۳۲ء میں وفات پا گئے اور خلیفہ دوئم حضرت عمرؓ بن خطاب ہوئے۔

خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد حضرت عمرؓ بن خطاب نے خطبہ

ارشاد فرمایا۔

"مجھے معلوم ہوا کہ لوگ میری سختی سے خائف اور میری درشتی سے لرزاں ہیں وہ کہتے ہیں کہ عمرؓ اس وقت بھی ہم پر سختی کرتا تھا جب ہم رسول ﷺ کے سایہ عاطفت میں تھے اور اس وقت بھی ہمارے درمیان حضرت صدیق اکبرؓ حائل تھے۔ لیکن اب کیا ہوگا۔ جب ہم میں نہ رسول اللہ ﷺ موجود ہیں اور نہ ابوبکر صدیقؓ اور معاملات تمام کے تمام اس کے ہاتھوں میں ہیں۔

سنو! جو شخص بھی یہ کہتا ہے ٹھیک ہی کہتا ہے لیکن ایسا کہتے وقت وہ بھول جاتا ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا شرف حاصل تھا۔ اور میں ان کا ماں پذیر تھا۔ وہ سراسر نرمی اور رحمت تھے جیسا کہ اللہ کریم نے خود کہا ہے کہ وہ مومنین کے لئے رحمت کا سرچشمہ ہیں۔ بارگاہ رسالت میں میری حیثیت ایک شمشیر برہنہ کی سی تھی۔ جب حضور ﷺ چاہتے اس شمشیر کو اذن کار عطا فرمادیتے اور جب چاہتے اسے نیام میں رکھ لیتے میں حضور ﷺ کی خدمت میں اس طرح رہا تا آنکہ اللہ نے آپ ﷺ کو یاد فرمالیا۔ حضور ﷺ آخر وقت تک مجھ سے خوش رہے اور اس پر میں اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور اس سعادت عظمی پر مجھے فخر وناز ہے۔

اس کے بعد امت کی زمام کار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سپرد کی گئی۔ جن کے تحمل اور نرمی سے انکار ممکن نہیں میں ان کا بھی خادم اور مددگار تھا

اور اپنی سختی کو ان کی نرمی میں سمو دیتا تھا۔ میں حسب سابق ایک برہنہ تلوار تھا۔ جسے وہ جب وقت چاہتے بروئے کار لاتے اور جب چاہتے زیر نیام کر لیتے۔ میں اسی طرح ان کے ساتھ رہا۔ یہاں تک کہ اللہ نے انہیں ہم سے جدا کر دیا وہ بھی آخر دم تک مجھ سے خوش رہے۔ اس پر بھی میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور یہ سعادت میرے لئے وجہ مسرت ہے

اور اب اے لوگو! تمہارے معاملات کی ذمہ داری میرے کندھوں پر رکھ دی گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میری وہ سختی نرمی میں بدل گئی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لئے بدستور قائم ہے جو ظلم و ستم و زیادتی سے کام لیں گے۔ رہے وہ لوگ جو امن و سلامتی سے رہتے ہیں اور جرات ایمان رکھتے ہیں تو ان کے لئے میں سب سے زیادہ نرم ہوں۔ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کرے گا تو میں اسے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر ٹکا کر دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ رکھ دوں تا کہ وہ حق کے سامنے سپر انداز نہ ہو جائے۔ لیکن اس تمام سختی کے باوجود میں اہل حق کے لئے خود اپنا رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔

لوگو! مجھ پر تمہارے کچھ حقوق ہیں جو میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ تم اپنے یہ حقوق مجھ سے حاصل کرو۔ تم پر میرا صرف یہ حق ہے تمہارے خراج اور مال غنیمت سے جو اللہ تمہیں عطا کرے (یعنی مملکت کی آمدنی میں سے) اپنی کفالت کے لئے رکھ لوں۔ لیکن ناحق نہ لوں۔ اور تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ جب تم میں سے کوئی میرے پاس آئے تو مجھ سے

اپنا یہ حق لے کر جائے۔ تمہارا مجھ پر یہ بھی حق ہے کہ میں تمہارے عطیات اور وظائف میں اضافہ کروں اور تمہاری سرحدوں کو مستحکم کروں۔

اور یہ حق بھی کہ تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں۔ تمہیں بلاضرورت گھر واپس آنے سے نہ روکوں۔ اور جب تم کسی جنگ پر جاؤ تو ایک باپ کی طرح تمہارے اہل و عیال کی نگہداشت کروں۔

اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو۔ میرا ہاتھ بٹاؤ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں میری مدد کرو۔ تمہاری جو خدمات اللہ نے میرے سپرد کی ہیں ان کے متعلق مجھے نصیحتیں کرتے رہو۔ میں تم سے یہ کچھ کہہ رہا ہوں اور تمہارے لئے اللہ سے مغفرت طلب کر رہا ہوں میں یوم حساب کا منتظر ہوں جب مجھے یہ بتانا ہوگا کہ میں نے تم سے کیا لیا اور اسے کیسے خرچ کیا۔"

یہ ہے سب سے پہلا خطبہ جو فاروق اعظم نے خلیفہ دوئم بننے کے بعد ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ ایک آئین کی حیثیت رکھتا ہے اور ایک ایسے آئین کی حیثیت جو کہ جمہوری اقدار سے پر ہو۔ خلافت کے فرائض سنبھالتے ہی سیدنا فاروق اعظم نے سرحدوں پر مصروف مسلم افواج اور جہاد پر غور و فکر کیا نیز عوام الناس کے مسائل کو بھی حل کرنے کی طرف شدت سے کوشاں ہو گئے آپ نے صوبوں کے امیر ایسے لوگوں کو منتخب کیا جو اچھی شہرت اور کردار کے حامل تھے آپ نے کسی کے نماز روزے کو کبھی مد نظر نہیں رکھا تھا بلکہ اس میں خوبیوں کو دیکھ اس کو مقرر فرماتے تھے کہ کیا وہ عامل اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی سرانجام بھی دے پائیں گے کہ نہیں۔

عمال کی تربیت ونگہداشت

اس کے علاوہ اپنے اعمال سے اکثر وبیشتر ان کے ماتحتوں کے متعلق پوچھ گچھ کیا کرتے۔ ایک مرتبہ مکہ کے گورنر نافع بن عمر بن حارث کو بلوایا اور پوچھا کہ تم نے اہل وادی پر کسے حاکم مقرر کیا ہے انہوں نے بتایا کہ عبدالرحمٰن ابزی کو آپؓ نے پوچھا کہ وہ کون ہے بتایا گیا کہ وہ آزاد کردہ غلام ہے پوچھا کہ اس کی کیا خصوصیات ہیں جن کی بناء پر اسے حاکم بنایا گیا ہے تو نافع بن عمر نے بتایا کہ اس کی قرآن پر گہری نظر ہے اور فرائض دین کا علم حاصل ہے یہ سن کر فاروق اعظم از حد خوش اور مطمئن ہوئے۔

اکثر آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں کبھی پسند نہیں کرتا کہ کسی ایسے شخص کو منتخب کروں جس سے بہتر صلاحیتوں کا شخص موجود ہو۔ اسی لئے آپ کے اعمال نہایت مضبوط کردار کے حامل تھے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا امیرالمومنین وہ شخص بڑا قابل اعتماد ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس کے پڑوس میں رہے۔ کیا تم کبھی اس کے ہمسفر رہے۔ یا کبھی اس کے ساتھ تم نے کوئی معاملہ کیا۔ اس شخص نے بتایا کہ ان تمام باتوں سے کوئی بھی بات نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر تمہیں اس شخص کے متعلق کچھ بھی علم نہیں۔ تم نے اس کی ظاہری عبادت دیکھ کر ہی اندازہ لگایا ہے۔

جب کہ عمال کے انتخاب کو ایک زریں اصول کے تحت تکمیل تک پہنچاتے کہ میں اس شخص کو منتخب کرتا ہوں کہ جب وہ اس منصب پر فائز نہ ہو تو اسی قوم کا ایک سردار نظر آئے اور جب قوم کا سردار بن جائے تو انہی میں سے ایک فرد نظر آئے۔

کسی صحابی کو گورنری کے بارے میں امید تھی اور آپ کو بھی یہ پسند تھا کہ انہیں گورنر بنایا جائے۔ ایک مرتبہ انہوں نے عرض کیا یا امیر المومنین مجھے گورنر بنا دیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں آپ کو ہی گورنر بنانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن اب نہیں بناؤں گا کیونکہ جو شخص خود کسی عہدہ کا خواہش مند ہو اس کو اس عہدہ پر فائز نہیں کرنا چاہیے۔ اور اسی وجہ سے آپ نے ایک مرتبہ نعمان بن عدی کو گورنری سے معزول کر دیا ہوا یوں کہ ایک مرتبہ آپ نے ان کے کچھ اشعار شراب کی وجہ آفرین کیفیت کے بارے میں کسی سے سن لئے انہیں بلوایا اور پوچھا انہوں نے بتایا کہ یا امیر المومنین میں نے تو کبھی شراب کو چکھا بھی نہیں۔ یہ تو محض شاعرانہ بات ہے۔ تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہاں یہ درست ہے میرا بھی یہی خیال ہے۔ آپ شاعر تو بہت اچھے ہیں مگر گورنری کے قابل نہیں ہیں۔ حالانکہ یہ آپ کے قبیلہ ہی کے ایک فرد تھے۔

یہی نہیں کہ ایک دفعہ اچھی طرح دیکھ بھال کر کے منتخب کر دیا پھر پلٹ کر اس کی خبر ہی نہ لی۔ بلکہ آپ تمام عمال پر اور ان کے عوام کے معاملات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اور اگر عوام میں سے کوئی عامل کی شکایت کرتا تو اس کی مکمل تحقیق کرواتے اگر درست ثابت ہوتی تو عامل کو معزول فرما دیتے آپ کا اصول عالی شان تھا کہ۔

"اگر کوئی حاکم کسی جگہ زیادتی کرتا ہے اور میں اس کو یعنی عامل کو علم ہو جانے کے بعد بھی تبدیل یا معزول نہیں کرتا تو گویا وہ ظلم و زیادتی میں نے خود ہی کی ہے۔"

ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ

"کیا تم لوگوں کا خیال ہے کہ اگر میں کسی ایسے شخص کو گورنر تعینات کر دوں جو میرے خیال میں تم سب سے بہتر ہو پھر اسے انصاف کی تاکید بھی کر دوں تو کیا میں

اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآہ ہو جاؤں گا۔

لوگوں نے عرض کیا ہاں امیر المومنین۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ

''نہیں! جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ وہ میری ہدایات کے مطابق کام بھی کر رہا ہے یا نہیں اس وقت تک اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

اسی احتیاط کی خاطر آپ بوقت تقرر اور تقرر کے بعد بھی اپنے عمال کو اکثر و بیشتر نصیحتیں اور ہدایات فرمایا کرتے۔ آپ بوقت تقرر اپنے عمال سے یہ فرمایا کرتے کہ۔

''یاد رکھو! میں تم لوگوں کو ظالم بنا کر نہیں بھیج رہا ہوں بلکہ رعایا کا راہ نما اور امام بنا کر بھیج رہا ہوں۔ کبھی کسی بے قصور کو مت مارنا کہ وہ ذلیل ہو جائے اور کبھی کسی کی بے جا تعریف مت کرنا کہ وہ مچل جائے لوگوں کے کاموں میں رکاوٹ پیدا نہ کرنا بلکہ دور کرنا۔''

حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ہدایات جاری فرمائی کہ

''اپنی مجلس میں لوگوں کو برابری کا درجہ دیا کرو۔ تاکہ طاقتور آدمی اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ اور کمزور تمہارے انصاف سے ناامید نہ ہو جائیں۔''

ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا کہ مومن کسی کو دھوکہ نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا کہ بات پوری کرو وہ اس طرح کہ مومن نہ تو دھوکہ دیتا ہے اور نہ ہی دھوکہ کھاتا ہے۔

ایک مرتبہ عمال کو بلوایا اور ارشاد فرمایا کہ۔

''یاد رکھو! عوام اس وقت تک امام کی پیروی کرتے ہیں۔ جب تک وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور وہ جب احکام الٰہی سے سرکشی برتتا ہے۔ تو رعایا

اس کے احکام سے سرکشی اختیار کر لیتی ہے۔ اور یاد رکھو کہ جب وہ فاسق اور فاجر ہو جاتا ہے تو رعایا اس سے بڑھ کر فاسق و فاجر ہو جاتی ہے۔''

حضرت عمروؓ بن عاص کو ایک مرتبہ لکھا ہے کہ

''تم اپنی رعایا کے لئے ایسے بن جاؤ جیسے تم اگر رعایا ہو تو چاہو کہ تمہارا امیر ایسا ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مجلس میں تکیہ لگا کر بیٹھتے ہو ایسا ہرگز نہ کیا کرو۔ اور عام لوگوں کی طرح بیٹھا کرو۔''

حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ہدایت فرمائی کہ

''تم عوام کے ہجوم کو ایک ساتھ بلا لیتے ہو۔ مساوات بے شک اپنی جگہ ہے۔ مگر اہل علم و دیانت کی قدر افزائی بھی ضروری ہے۔ اس لئے قرآن دان اور صاحب دیانت لوگوں کو پہلے بلا لیا کرو۔ اس طرح ان حضرات کی قدر افزائی کے علاوہ دوسروں کے دل میں قرآن دانی اور دیانت کا شوق بھی پیدا ہوگا۔''

ایک مرتبہ عمال کو فرمایا کہ وہی حکومت قائم رہ سکتی ہے جس میں نرمی ہو۔ مگر کمزوری کی وجہ سے نہیں اور جس میں سختی ہو مگر استبداد کی وجہ سے نہیں۔ یعنی بلا ضعف نرمی اور بلا جبر قوت۔

حضرت مغیرہؓ کو جب کوفہ کا گورنر بنایا تو علاوہ دیگر نصیحتوں کے یہ خاص طور پر فرمایا کہ ''مغیرہ! ایسا بن کر رہنا کہ پرامن تجھ سے بے خوف ہیں جب کہ بدمعاش خوف زدہ ایک مرتبہ عراق سے وفد مدینہ منورہ آیا اس میں حضرت حنف بن قیس بھی شامل تھے گرمی میں حضرت عمرؓ کڑی دھوپ میں بیت المال کے ایک اونٹ کو تیل مل رہے

ہیں۔ اور اپنی عبا کو لپیٹ کر سر پر عمامہ باندھ رکھا ہے۔ پسینہ میں شرابور ہیں۔

وفد سے ملاقات ہوئی تو فرمایا ''اے احنف! کپڑے اتار کر آجا اور میری مدد کرو۔ یہ بیت المال کا اونٹ ہے جس پر یتیموں اور بیواؤں اور مسکینوں کا حق ہے۔''

ایک صاحب بول اٹھے یا امیر المومنین کسی خادم سے کیوں نہیں تیل ملنے کا کہہ دیتے۔ تو آپ نے فرمایا ''مجھ سے اور احنف سے بڑا خادم کون ہوگا۔'' اور تھوڑی دیر بعد تمام وفد کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میری بات غور سے سنو! جو شخص مسلمانوں کا والی بنے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ غلام کی طرح مخلص اور امین ہو۔

ایک مرتبہ مال غنیمت میں بہت سی یمنی چادریں مدینہ منورہ آئیں آپ نے حسب قاعدہ سب میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی۔ بات آئی گئی ہوگئی تھوڑے دنوں کے بعد آپ خطبہ دینے منبر پر آئے اور حسب معمول فرمایا کہ۔ اسمعوا واطیعوا یعنی جو کچھ میں کہتا ہوں سنو اور پھر اطاعت کرو۔

حاضرین میں سے حضرت سلمان فارسیؓ بولے ''ہم نہ آپ کی بات سنیں گے اور نہ ہی اطاعت کریں گے۔

امیر المومنین فاتح شام و مصر منبر سے نیچے اترتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اے ابو عبداللہ ایسی کیا بات ہوگئی ہے۔

انہوں نے کہا کہ ''اے عمرؓ! آپ نے دنیا داری برتی ہے۔ سب لوگوں کو آپ نے ایک ایک چادر دی ہے۔ جب کہ خود آپ نے دو چادریں پہن رکھیں ہیں۔

فرمایا عبداللہؓ بن عمرؓ کہاں ہیں۔ انہوں نے کہا حاضر ہوں یا امیر المومنین۔

فرمایا بتاؤ ان میں سے ایک چادر کس کی ہے۔ عرض کیا یا امیر المومنین ایک

چادر میری ہے۔" آپ نے سلیمان فارسی سے مخاطب ہو کر فرمایا" اے ابو عبداللہ۔ تم نے بلاتحقیق جلدی سے بات کر دی اور احتجاج بھی کیا۔ اصل تو پوچھا ہوتا۔ ہوا یوں کہ میں نے اپنے میلے کپڑے دھوئے تھے۔ باہر آنے کے لئے ایک چادر میرے لئے کافی نہیں تھی اس لئے میں نے عبداللہ سے ایک چادر مانگ لی۔

جس کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ بولے کہ ہاں اب ہم آپ کی بات سنیں گے بھی اور اطاعت بھی کریں گے۔

عوام کے حالات سے خود آگاہی

حضرت عمر فاروقؓ کا یہ معمول تھا کہ راتوں کو گشت لگایا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک قافلہ شہر کے باہر خیمہ زن تھا۔ آپ اس کی خبر گیری کے لئے خود تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک بچہ رو رہا ہے۔ اس کی ماں کے پاس گئے اور بچے کو چپ کرانے کا کہا تھوڑی دیر بعد پھر جو ادھر سے گزرے تو بچہ مسلسل روئے چلا جا رہا تھا۔ غصے کے عالم میں اس کی ماں کو کہا کہ تم تو بڑی بے رحم ہو۔ بچے کو چپ کیوں نہیں کراتیں۔

اس ماں نے جواب دیا کہ" تم حالات سے بے خبر معلوم ہوتے ہو۔ عمرؓ نے حکم دے رکھا ہے کہ بچوں کا وظیفہ اس وقت سے شروع ہو گا جب وہ دودھ پینا چھوڑ دیں گے۔ اب میں اس کا دودھ چھڑاتی ہوں تو یہ رو رہا ہے۔"

یہ سن کر آپ نہایت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ" ہائے عمر! نہ معلوم تم نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا۔" اسی دن اعلان کروا دیا کہ بچوں کا وظیفہ ان کے پیدائش کے ساتھ۔

ہی شروع ہو جائے گا۔

اسی طرح حسب معمول ایک رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت کو دیکھا کہ ہنڈیا چولہے پر رکھ کر کچھ پکا رہی ہے۔ جب کہ بچے مسلسل رو رہے ہیں آپ نے اس عورت سے کہا کہ جلدی کیوں نہیں پکاتی کہ تیرے بچے کھائیں۔ اس عورت نے جواب دیا کہ دراصل تین وقت سے بچے بھوکے ہیں۔ اور میرے پاس کچھ نہیں کہ انہیں پکا کھلاؤں۔ یہ تو یونہی پانی ہنڈیا میں ڈال کر پکا رہی ہوں۔ تاکہ بچے سو جائیں۔

یہ سن کر فاروق اعظم جلدی سے اٹھے اور بیت المال سے آٹا گھی کھجوریں اور دیگر اشیاء کو ایک کپڑے میں باندھ کر اسلم سے کہا کہ اس کو میری پست پر رکھ دو۔ اسلم نے کہا کہ میں لے چلتا ہوں۔ فرمایا ''اے اسلم! اس معاملہ کا تعلق قیامت سے ہے اور قیامت میں تم میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے کہ یہ بوجھ مجھے ہی اٹھانے دو۔ تمام اشیاء اس عورت کو دیکر کہا کہ اب پکاؤ وہ عورت ہنڈیا پکاتی رہی اور آپ چولہے کی آگ تیز کرنے کے لئے پھونکیں مارتے رہے۔ کھانا پک گیا تو بچوں نے کھا کر مسرت کا اظہار کیا۔ جب چلنے لگے تو اس عورت نے آپ کا بے حد شکر ادا کیا اور کہا کہ ''امیر المومنین ہونے کے قابل تو تم تھے نا کہ عمر بن خطاب''

ایک رات کو حسب معمول گشت پر تھے کہ ایک خیمے پر نظر پڑی کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدو خیمہ کے باہر بیٹھا پریشان لگ رہا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ بھائی کیا بات ہے اس نے بتایا کہ میری بیوی دردزہ میں مبتلا ہے۔ اور کوئی عورت بھی موجود نہیں۔ آپ نے کوئی بات نہ کی گھر آئے اور اپنی زوجہ محترمہ ام کلثوم بنت حضرت علی کو ساتھ لیا۔ خیمہ میں انہیں بھیج کر بدو سے باتیں کرنے لگے۔ اس بدو کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس

وقت وہ کس شخص سے محو گفتگو ہے۔ کہ اتنے میں حضرت ام کلثومؓ کی آواز آئی۔ یا امیر المومنین اپنے دوست کو بچے کی مبارک باد دیجئے۔

امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو حیران و ششدر رہ گیا اس کو مبارک باد دی اور فرمایا کہ صبح میرے پاس آنا تا کہ بچے کا وظیفہ مقرر کیا جائے۔

ایک رات گشت کے دوران جب تھک گئے تو ایک مکان کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گے اندر سے مدہم مدہم سے آوازیں آرہی تھیں۔ غور سے سنا تو ایک عورت اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ اٹھو اور دودھ میں پانی ملا دو۔

بیٹی بولی کہ اماں! آپ کو معلوم ہے کہ امیر المومنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کر رکھا ہے۔

ماں بولی کہ اٹھو اور دودھ میں پانی ڈالو۔ اس جگہ امیر المومنین کون سا دیکھ رہے ہیں۔ بیٹی نے کہا کہ اماں! امیر المومنین تو واقعی نہیں دیکھ رہے ہے مگر اللہ تو دیکھ رہا ہے۔
صبح سویرے اپنی زوجہ کو اس لڑکی کا رشتہ لینے بھیجا اور اپنے بیٹے عاصم سے شادی کر دی اسی لڑکی کی اولاد سے حضرت عمر بن عبد العزیز تھے۔

یا ساریہ! الی الجبل

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ یکا یک بولے "یا ساریہ! الی الجبل۔ ترجمہ: ساریہ پہاڑ کی طرف ہٹ جاؤ۔
واقعہ یہ ہے کہ ایرانی مہمات کے دوران حضرت ساریہ بن زنیم ایک جنگ میں مصروف پیکار تھے۔ لوگوں نے اچانک امیر المومنین کی آواز سنی تو حیران رہ گئے۔

مگر ذہنوں میں یاد رکھا۔

کچھ ہی عرصہ بعد حضرت ساریہؓ کا قاصد جنگ میں فتح کی خبر لے کر آیا تو اس نے بتایا کہ ایک دن ہم جنگ میں مصروف تھے۔ اور محویت کا اسقدر عالم تھا کہ کس طرف دھیان ہی نہیں جاتا ہے تو ایسے میں ہمیں حضرت عمرؓ کی آواز سنائی دی کہ ساریہؓ پہاڑ کی طرف ہٹ جاؤ۔ یہ سن کر ساریہؓ نے جلدی سے فوج کو پہاڑ کی اوٹ میں کر لیا۔ اگر کچھ دیر ہو جاتی تو دشمن ہمیں نقصان پہنچا دیتا۔

دریائے نیل

جب حضرت عمروؓ بن العاص مصر کے والی تھے۔ تو قبطیوں کا ایک وفد حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہماری معاشرتی زندگی کا دارومدار دریائے نیل کے پانی پر ہے۔ اس میں از خود روانی نہیں ہوتی۔ اس کے لئے ہم ہر سال ایک دوشیزہ کو دلہن بنا کر ڈال دیتے ہیں تب یہ رواں ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ بن العاص نے فرمایا کہ یہ بات اسلام کے خلاف ہے۔ اس لئے اس قدر ظالمانہ اقدام کی اجازت تو میں نہیں دے سکتا۔ اس پر قبطیوں نے ترک وطن کا ارادہ ظاہر کیا۔ کیونکہ پانی کے بغیر کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ مجبور ہو کر انہوں نے سارا واقعہ تفصیل سے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک خط لکھا اور قاصد کو تاکید کر دی کہ یہ خط دریائے نیل میں ڈال دینا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

"اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ بن خطاب کی طرف سے دریائے نیل کے نام۔

اما بعد! اگر تو اپنی مرضی سے رواں ہوتا ہے تو نہ ہو۔ لیکن اگر تجھ میں روانی پیدا کرنے والا اللہ واحد وقہار ہے تو ہم اس اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ تجھ میں روانی پیدا فرمائے۔"

حضرت عمرؓ بن العاص نے یہ خط پڑھ کر لوگوں کو سنایا اور مقررہ وقت سے ایک دن پہلے اس خط کو پانی میں بہا دیا۔ دوسرے دن پانی اتنا اونچا ہو گیا کہ کبھی نہ ہوا تھا۔ اس طرح اس قبیح رسم کا خاتمہ ہو گیا۔

فتوحات

سیدنا صدیق اکبرؓ نے جب وفات پائی تو اس وقت اسلامی افواج ایران شام اور مصر و عراق میں برسر پیکار تھیں۔ اور مسلسل کامیابیاں حاصل کر رہی تھی۔ سیدنا فاروق اعظم نے بھی ان فتوحات کو جاری رکھنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ دراصل اس زمانے میں دو طاقتور حکومتیں دنیا میں قائم تھیں۔ ایک تو ایران کی سلطنت اور دوسری رومیوں کی یعنی بازنطینی حکومت۔ دونوں حکومتوں کے پاس باقاعدہ اور ترقی یافتہ افواج تھیں اور اسلحہ بھی انتہائی وافر مقدار میں موجود تھا۔

فتح شام ۱۵ھ بمطابق ۶۳۵ء

سیدنا صدیق اکبرؓ نے شام کی جانب چار لشکر روانہ فرمائے تھے۔ جن کے امیر حضرت عمرؓو بن العاص، حضرت شرجیلؓ بن حسنہ، حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ، اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح تھے حضرت فاروق اعظم نے فرمان جاری فرمایا کہ جب چاروں لشکر اکٹھے ہو جائیں تو امیر عساکر اسلامی حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح اور

نائب امیر حضرت خالدؓ سیف اللہ ہوں گے۔

ایک غلطی کا ازالہ

سیدنا فاروق اعظم کی ذات اقدس سے ایک بہت بڑی زیادتی کو غلط طور پر منسوب کیا جاتا ہے کہ جونہی خلافت کے امور سنبھالے اسلامی افواج کے سپہ سالار حضرت خالدؓ بن ولید کو فوری طور پر معزول کر دیا۔ دراصل صہیونی و عیسائی مورخین کی ذہنی اختراع ہے۔ ورنہ حقیقت کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ تاریخ طبری جیسی کتاب میں بھی اس قسم کی باتیں لکھی ہیں۔

تاریخ طبری کی جلد اول حصہ چہارم صفحہ نمبر ۲۴۱ میں تو معزول کئے جانے کی بات ہو رہی ہے۔ مگر دو ہی صفحات کے بعد جناب خالدؓ سیف اللہ کو یا جنگ میں مصروف دکھایا جا رہا ہے۔ حالانکہ عام تاریخ کا طالب علم بھی اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ سیدنا صدیق اکبر اس جہان فانی سے ۶۳۴ء کو رخصت ہوئے۔ لیکن بیت المقدس ۶۳۷ء میں فتح ہوا۔ اور سیدنا فاروق اعظم کا استقبال کرنے والوں میں حضرت خالد بن ولیدؓ شامل تھے۔ تاریخ کا قاری یہ بھی جانتا ہے کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد کوئی ملک بھی ایسا نہیں رہ گیا تھا جہاں فوج کشی ہو رہی تھی۔ اس لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس قدر عالی شان سپاہی کو ذلیل و خوار کر دیا جاتا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ سیدنا سیف اللہ اور جناب فاروق اعظم سگے رشتہ دار تھے۔ سیدنا خالدؓ سیف اللہ حضرت فاروق اعظم کے ماموں زاد تھے۔ اور ان دونوں بزرگوں کے درمیان کوئی رنجش نہیں تھی۔ مگر یہودیوں اور عیسائیوں کو جب کوئی

پختہ بات میسر نہیں آئی تو یقینی طور پر دروغ گوئی پر اتر آئے۔ حالانکہ حضرت خالد سیف اللہ عہد فاروق اعظم میں قنسرین کے امیر یعنی گورنر تھے۔ اگر اس قدر شدید رقابت ہی تھی تو ان کو گورنر کیوں بنایا جاتا۔

واقعہ دراصل یوں ہے کہ عہد صدیق اکبرؓ میں حضرت خالدؓ بن ولید سپہ سالار اعظم تھے۔ رومیوں اور ایرانیوں کو جس طرح آسانی کے ساتھ آپ نے شکستیں دیں تو ان کو یہ خیال گزرنا شروع ہوا کہ خالدؓ بن ولید کی جگہ سے یہ سب فتوحات مسلمانوں کو حاصل ہوئیں ہیں۔ دوسری جانب عام مسلمانوں کے دلوں میں بھی اس بات کا یقین راسخ ہونا شروع ہوگیا تھا کہ خالدؓ کے ہوتے ہوئے شکست نہیں ہوسکتی۔ اب یہ کس طرح ممکن تھا کہ فاروق کا خطاب پانے والے اس قسم کے خیالات کو تقویت دیتا۔ سیدنا فاروق اعظم کے اس اقدام کا مقصد و منشا یہی تھا کہ عام مسلمان کو یہ بتایا جائے کہ ساری فتوحات اللہ کے فضل وکرم کا نتیجہ ہیں۔

اور اس بات کو حضرت سیف اللہ بھی جانتے تھے اور انہوں نے بھی ایک سچے مسلمان کا کردار ادا کیا کہ خلیفہ وقت کی نافرمانی نہیں کی۔ بلکہ شوق جہاد میں اس لگن اور جوش سے حصہ لیتے رہے۔ ورنہ پورے مخزومی قبیلے کی سرداری ان کے پاس تھی۔ اگر حقیقت میں ان کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہوتی تو کیا کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ پوری اسلامی فتوحات کی بنیاد حضرت خالدؓ سیف اللہ نے رکھی تھی اور بات کو تقویت دینے کے لئے فرمان فاروق اعظم ہی کافی ہے جو کہ آپ نے خالد سیف اللہ کو معزول کرنے کے بعد جاری فرمایا۔

"میں نے خالد کو ناراضگی یا خیانت کی بناء پر معزول نہیں کیا بات

دراصل یہ ہے لوگ ان کے بے حد گرویدہ ہو گئے تھے۔ اس سے مجھے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ لوگ کہیں ان پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں۔ اس لئے میں نے یہ مناسب خیال کیا کہ لوگوں کو بتا دیا جائے کہ فتح وظفر اللہ کی نصرت سے ہوتی ہے۔ نا کہ کسی شخصیت کی وجہ سے نہیں۔"

آیئے فتوحات شام کا مطالعہ کرتے ہیں۔

فتح دمشق

یہ معرکہ حق و باطل ۱۳ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ جنگ یرموک میں اسلامی افواج کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے کے بعد رومی افواج نے فحل پر سکون کا سانس لیا۔ اب ہرقل نے حکم دیا کہ فحل اور دمشق کے مقامات پر کثیر افواج جمع کی جائیں اور اسلامی فوجوں کو ایک فیصلہ کن شکست سے دو چار کیا جائے۔ تمام اطراف سے رومی دستے دمشق اور فحل کی طرف رواں دواں ہو گئے۔ رومیوں کا سپہ سالار، دمشق میں ہرقل نے نسطاس بن نسطورس کو مقرر کیا۔ جو کہ بہت جہاندیدہ اور معروف سپہ سالار تھا۔

حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح بھی بحکم امیر المومنین حضرت خالدؓ بن ولید سے آن ملے ۱۳ھ کو اسلامی افواج نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید کو امارت سے معزول کیا جا چکا تھا اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو امیر بنا دیا گیا تھا۔ اب آپ دیکھیں کہ یہودیوں کو اس وقت پشیمانی محسوس ہوئی ہو گی جب تمام جنگ حضرت خالدؓ لڑیں گے۔

محاصرہ شدت اختیار کر گیا۔ اور رجب ۱۳ھ سے محرم ۱۴ ہجری تک چلا گیا

یعنی چھ ماہ محاصرہ جاری رہا۔ اب دمشق والے ہرقل کی امداد سے مایوس ہو گئے اور مقابلے کا جوش سرد پڑنے لگا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہر سمت سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کی اطلاع دمشق کے سردار کو بھی ہوگئی تو اس نے حضرت خالدؓ سیف اللہ کی خدمت میں ایک وفد کو بھیج کر امان طلب کر لی۔ حضرت خالد بن ولید نے امان نامہ لکھ دیا اور بلا مقابلہ شہر میں داخل ہو گئے۔ ادھر حضرت خالدؓ سیف اللہ صلح کے بعد شہر میں داخل ہو رہے تھے اور دوسری جانب اسلامی فوج دروازوں کو توڑ کر داخل ہو رہی تھی۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت خالدؓ کی ملاقات ہوئی تو حضرت ابو عبیدہؓ نے بتایا کہ ہم نے شہر کو بزور شمشیر فتح کیا ہے جس پر حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ ہم نے مصالحت کی بناء پر فتح کیا ہے۔ اب تنازعہ یہ پیدا ہوا کہ شہر کو مفتوحہ خیال کیا جائے یا مصالحت۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے تمام خیالات کو رد کر دیا جو لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہو رہے تھے اور تمام شہر کو مصالحت کی فتح قرار دے دیا۔ اور حکم دے دیا کہ حضرت خالدؓ امان نامہ تمام تصریحات سمیت قابل عمل سمجھا جائے گا۔

امان نامہ سیدنا خالدؓ بن ولید

"خالدؓ بن ولید نے دمشق والوں کو یہ رعاتیں دیں ہیں کہ جب اسلامی لشکر میں داخل ہوئے تو دمشق والوں کو امان دی جائے گی۔ ان کی جان و مال اور گرجوں پر کوئی تصرف نہ کیا جائے گا نہ شہر دمشق کی پناہ منہدم کی جائے نہ کسی مکان کو مسمار و منہدم کیا جائے گا۔ اسلامی لشکر کا کوئی شخص

شہر والوں کے کسی مکان میں سکونت اختیار نہیں کرے گا۔ مسلمان اور ان کا خلیفہ بجز نیکی کے کوئی برا سلوک اہل دمشق سے نہ کریں گے جب تک اہل دمشق جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔"

فتح جنگ فحل

فتح دمشق کے بعد حضرت یزید رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دمشق کا امیر بنا کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فحل کی جانب آ گئے فحل میں رومی لشکر پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھا اس کا سپہ سالار نامی گرامی سردار سقلا بن مخراق تھا۔ رومی لشکر لاکھوں سپاہیوں پر مشتمل تھا لشکر اسلامی کو ان حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ میسرہ میں امیر عساکر اسلامی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مقدمہ الجیش میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ سیف اللہ قلب میں حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ میمنہ میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور سواروں میں حضرت ضرار بن ازور جب کہ پیدل افواج میں عیاض بن غنم کو افسر مقرر کیا گیا۔

رومی لشکر چونکہ وہاں پہلے سے پڑاؤ ڈالے ہوا تھا اس لئے انہوں نے یہ خیال کیا کہ اسلامی افواج تو سفر سے اور پھر جنگ دمشق سے تھکی ماندی ہوں گی آدھی رات کو قلب لشکر پر شب خون مار دیا۔ حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ نے جلد ہی صف بندی کر لی۔ آہستہ آہستہ جنگ پوری طرح پھیل گئی۔ یہ جنگ دن رات کئی روز جاری رہی۔ آخر کار رومی سالار قتل ہوا اور رومی لشکر تتر بتر ہو گیا۔

اس کے بعد اسلامی افواج نے حمص فتح کر لیا۔ اس کے علاوہ شام کے علاقوں حماۃ شیرز، لاذقیہ، سلیمہ، قنسیرین اور حلب کو بھی فتح کر لیا ان تمام فتوحات میں

حضرت ابوعبیدہؓ کے دست راست حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ تھے۔

جنگ انطاکیہ۔۱۵ھ مطابق ۶۳۵ء

انطاکیہ، سلطنت قیصر کا ایشیائی دارالحکومت تھا، تمام ملک شام سے شکست خوردہ رومی یہیں جمع ہو رہے تھے۔ ہرقل اعظم نے بڑے بڑے دانشوروں سے مسلمانوں کی پے در پے کامیابیاں اور اپنی شکستوں کا سبب دریافت کیا تو ایک دانشور نے جواب دیا کہ۔

''ان لوگوں کے اخلاق ہم سے بہت بلند ہیں۔ وہ دن کو روزے رکھ کر مصروف جہاد رہتے ہیں۔ اور رات کو اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے خواہ وہ ان کا مفتوح و مغلوب ہی کیوں نہ ہو۔ آپس میں برادرانہ مساوات کا برتاؤ کرتے ہیں ان میں کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شرابیں پیتے ہیں۔ بدکاریاں کرتے ہیں۔ قول و اقرار کی پابندی نہیں کرتے دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ان کا ہر کام جوش سے بھرا ہوا ہے جب کہ ہمارا ہر کام ہمت و عزم سے خالی ہوتا ہے۔''

جب اسلامی لشکر انطاکیہ کے قریب پہنچا تو عیسائیوں نے شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کے آثار دیکھ کر شہر میں خود کو بند کر لیا۔ اب اسلامی لشکر نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد صلح کے ذریعہ شہر فتح ہو گیا۔ ہرقل اعظم شام سے فرار ہو کر قسطنطنیہ چلا گیا یوں اسلامی افواج نے شام ۱۵ھ بمطابق ۶۳۵ء میں فتح کر لیا

فتح ایران ۲۱ھ بمطابق ۶۴۲ء

آیئے اب مہمات ایران پر نگاہ ڈالیں۔

سیدنا فاروق اعظم نے خلافت کے پہلے ہی ہفتے میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ سعد بن عبیدؓ، سلیطؓ بن قیس اور ابوعبیدہ بن مسعودؓ کو ایران کی مہمات پر روانہ فرمایا تھا۔ جب کہ حضرت ابوعبیدہ بن مسعودؓ کو تمام لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔

فتح کیسکر

یہاں ایرانی سردار نرسی تیس ہزار فوجوں کے ساتھ موجود تھا۔ جب کہ جابان اور اس کی شکست خوردہ فوج بھی یہاں پہنچ چکی تھی۔ اس کے باوجود رستم نے جو کہ ایرانیوں کا سپہ سالار اعظم تھا نے مشہور سردار جالنیوس کی سرکردگی میں ایک بڑی فوج کسکر روانہ کردی۔ ابھی یہ فوج پہنچی نہ تھی کہ اسلامی فوج نے جنگ کا آغاز کر دیا۔ اسلامی فوج کے قلب لشکر کے افسر حضرت ابوعبیدہؓ، میمنہ حضرت سعدؓ بن عبید، حضرت سلیطہؓ بن قیس میسرہ کے افسر، اور حضرت مثنیٰ مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ بہت زور و شور سے دونوں جانب سے جنگ کا میدان گرم ہوا۔ مگر اہل اسلام کے جذبہ ایمانی کے سامنے زیادہ دیر ٹھہر نہ سکا۔ اور میدان ایرانی سپاہیوں سے جلد ہی خالی ہو گیا۔

ادھر جالنیوس ایک بڑی فوج لیکر چلا آ رہا تھا کہ ایرانیوں کی شکست کی خبر ملی تو وہ باقیشا میں ٹھہر گیا۔ اور فوج کو منظم کرنے لگا۔ حضرت ابوعبیدہؓ کو معلوم ہوا تو باقشیا کی جانب رخ کیا اور جالنیوس کی فوج کو عبرت ناک شکست سے دوچار کر ڈالا۔

اب جالنیوس نے مدائن پہنچ کر دم لیا اور وہاں پر اتفاق رائے سے بہمن

جا۔ یہ تیس ہزار اور تین سو ہاتھیوں کا لشکر دے کر جالینوس کو اس کا معاون بنا دیا۔
دریائے فرات کے کناروں پر دونوں افواج رک گئیں۔ اسی جنگ میں ہاتھیوں نے
بہت نقصان اہل اسلام کا کیا اور سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ بن مسعود ثقفی شہید
ہوئے۔ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص امیر عساکر اسلامی مقرر ہوئے۔

فتح جنگ قادسیہ ۱۴ ان بمطابق ۶۳۵ء

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بحکم امیر المومنین قادسیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔
جنگ قادسیہ کو اسلامی تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل ہے اس جنگ میں مشہور زمانہ
ایرانی سردار رستم بذات خود سپہ سالار اعظم تھا۔ ایرانیوں نے اہل اسلام کے ساتھ ایک
فیصلہ کن جنگ کا ارادہ کر لیا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت
سعدؓ کو لکھا کہ اسلامی آئین کے تحت یزدگرد کو صلح کی پیش کش کر دو۔ حضرت سعدؓ نے
ایک سفارت مدائن میں جو کہ ایران کا پایہ تخت تھا بھیجی۔

سفارت اسلامی میں حضرت نعمانؓ بن مقرن، قیس بن زرارہ، اشعثؓ بن
قیس، فراتؓ بن حسانؓ بن حاجب، بشرؓ بن ابی رہم، حنظلہؓ بن الربیع اور عدی بن
سہیل شامل تھے۔

یزدگرد نے جب اسلام سفارت کی آمد کی خبر سنی تو اپنے دربار کو خوب صورتی
سے آراستہ کیا لیکن جب اسلامی وفد اپنی سپاہیانہ شان کے ساتھ دربار میں پہنچا تو
یزدگرد حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ تم لوگوں کو ہمارے مقابل آنے کی جرات کس طرح
ہوئی۔ اگر کچھ مال درکار ہے تو لے لو اور واپس لوٹ جاؤ۔ حضرت نعمانؓ بن مقرن نے

فرمایا کہ یا تو جزیہ دو یا پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر نہیں تو اسلام قبول کر لو۔ یزدگرد نے بہت برا منایا اور کہا کہ اگر سفیروں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو تم کو ضرور قتل کر دیتا۔

یزدگرد نے ایک مٹی کا ٹوکرا منگوا کر وفد کو دے دیا کہ یہ لے جاؤ حضرت عاصمؓ بن عمرؓ نے ٹوکری کندھے پر رکھی اور مدائن سے روانہ ہو گئے۔ حضرت سعدؓ کے پاس پہنچے اور خوشخبری دی کہ ایرانیوں نے خود اپنی زمین ہمارے حوالے کر دی ہے۔

اس کے بعد رستم نے حضرت سعدؓ کو کہلا بھیجا کہ کسی سفیر کو بھیجیں تا کہ صلح کی بات ہو سکے۔ چنانچہ حضرت ربعیؓ بن عامر سفیر بن کر رستم کے پاس گئے۔ رسم نے بھی یزدگرد کی طرح اپنے خیمے کو آراستہ و پیراستہ کیا۔ فرش پر قیمتی قالین بچھوائے اور زربفت کے شامیانے لگوائے مگر حضرت ربعیؓ اسی شان بے نیازی کے ساتھ داخل ہوئے فرش میں نیزہ گاڑھ کر گھوڑے کو باندھا اور نہایت بے تکلفی سے سونے کے تخت پر رستم کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے۔ رستم کے لوگوں نے روکنا چاہا تو بولے کہ یہ ہمارے مذہب کے خلاف ہے کہ ایک خدا بن کر بیٹھا رہے۔ جب کہ دوسرے لوگ اس کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑے رہیں۔

خیر اب سوال و جواب شروع ہوئے مگر نتیجہ کوئی نہیں نکلا اس طرح تین روز تک سفارت چلتی رہی مگر بے کار رہی۔ آخر کار جنگ قادسیہ کا آغاز ہوا۔

تین دن خوب زوردار معرکہ حق و باطل جاری رہا۔ اور تیسرے دن جنگ قادسیہ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ حضرت قعقاعؓ بن عمرو نے عظیم ایرانی سردار بہمن جادویہ کو جہنم رسید کیا۔ جب کہ حضرت بلالؓ بن علقمہ نے یزدگرد کے سپہ سالار اعظم رستم کو قتل کر کے اس کے تخت پر کھڑے ہو کر نیزہ پر رستم کا سر چڑھا کر نعرہ تکبیر بلند

گیا۔ایرانی فوج اپنے سردار کا حشر دیکھ کر بددل ہوگئی اور بری طرح سے مقتول ہوئی۔

اس جنگ کی خبر کے لئے ہر وقت امیر المومنین کی نگاہ مدینہ میں آنے والے قاصدوں کی طرف لگی رہتی تھی۔آخر کار ایک روز ایک اونٹ سوار آتا دکھائی دیا۔پوچھا کہ کدھر سے آرہے ہو تو قاصد بولا کہ قادسیہ کی طرف آرہا ہوں۔خوشخبری لایا ہوں۔ کہ اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو فتح ونصرت سے ہمکنار کیا۔سوار چلتا جارہا تھا اور فاروق اعظم ساتھ ساتھ دوڑتے جارہے تھے۔راستے میں لوگ یاامیر المومنین اسلام و علیک کہتے جارہے تھے۔قاصد نے سنا تو گھبرا کر سواری سے اترنا چاہا تو فاروق اعظم نے انکار کردیا۔اور سوار کو مسجد نبوی میں لے آئے۔

اس جنگ کے بعد ایران رفتہ رفتہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوتا چلا گیا اور ایران کا حکمران یزدگرد کسمپرسی کی موت مرگیا۔

فتح بیت المقدس

بیت المقدس میں ہرقل اعظم نے بعد از شکست بہت سی افواج کو روانہ کر دیا تھا اور وہاں کے لوگوں کو بھی جنگ پر ابھارنے کی کوشش کر رہا تھا۔اسلامی افواج نے بیت المقدس کا سختی سے محاصرہ کرلیا۔اور امیر المومنین سے مزید کمک طلب کی۔ سیدنا فاروق اعظم نے خود کمک لے کر بیت المقدس جانا مناسب خیال کیا۔اور مقام جابیہ پر خیمہ زن ہوگئے۔یہاں پر سیدنا فاروق اعظم نے جنگ کا نیا نقشہ ترتیب دیا۔ ان حالات کی خبر عیسائیوں کو بھی ہوئی۔ان کو یقین ہوگیا کہ اب جنگ بھی نہیں لڑ سکتے تو انہوں نے یہ شرط عائد کردی کہ امیر المومنین خود آئیں اور صلح کا معاہدہ کریں۔

حضرت عمرؓ فاروق کا سفر بیت المقدس

مسلمانوں کا عظیم خلیفہ بائیس لاکھ مربع میل کا فاتح ایک نئی فتح کو عملی جامہ پہنانے اس شان سے روانہ ہوا کہ ایک اونٹنی پر سوار رہا۔ جس پر ایک اونی کمبل پڑا ہوا تھا۔ بوقت استراحت یہ کمبل بچھا لیا جاتا۔ خرجی کھال کی تھی جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اسی سے سونے کے وقت تکیے کا کام لے لیتے تھے جبکہ دونوں طرف دو تھیلے لٹکے ہوئے تھے۔ ایک میں ستو جب کہ دوسرے میں کھجوریں تھیں۔ ایک پانی کا مشکیزہ بھی سامنے لٹکا ہوا تھا۔ رفقائے سفر کے ساتھ روزانہ نشست ہوتی سب مل کر کھانا جو بھی میسر ہوتا کھا لیتے۔ روایات میں وارد ہے کہ ایک ایک اونٹ دو سواروں کے حصے میں آتا اور آپ کا ساتھی سوار آپ کا غلام تھا۔

طے یہ پایا کہ ایک منزل ایک سوار رہوا اور دوسری منزل دوسرا سوار ہو (اور یقینی بات ہے کہ طے کرنے والے بھی آپؓ ہی ہوں گے) جب آپؓ سوار ہوتے تو غلام مہار پکڑ کر چلتا اور جب غلام سوار ہوتا تو آپؓ مہار پکڑتے۔

بیت المقدس کے نزدیک آپ کا استقبال اسلام کے عظیم فاتحین نے کیا وہ فاتحین کون تھے۔ وہ تھے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح، حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ، حضرت یزیدؓ بن سفیان تینوں بزرگ ریشمی کپڑے زیب تن کئے ہوئے نظر آئے تو سیدنا فاروق اعظم نے برا محسوس کیا اور فرمایا تم لوگ اس قدر جلدی بدل گئے ہو۔ تم نے دو ہی برس میں اس قسم کی تن آسانی اختیار کر لی ہے۔

یاد رکھو! اگر تمہارا طرز عمل یہی رہا تو اللہ کی قسم تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔ اور تمہاری حکومت اسے دے دیگا کہ حریر و اطلس پہننے والی قوم حکومت کرنے کی اہل نہیں ہوتی۔"

انہوں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! ہم نے یہ کرتے اس قوم کی خاطر اوپر سے پہن رکھے ہیں۔ دیکھیں ان کے نیچے وہی ہتھیار موجود ہیں۔ یہ دیکھ کر فاروق اعظم کو اطمینان ہوا۔ اب امیر المومنین اپنے فاتح جرنیلوں کی معیت میں بیت المقدس میں داخل ہو رہے تھے کہ عیسائی قوم کا سردار استقبال کے لئے آیا۔ آپ نے اس سے کہا کہ میرا کرتہ مسلسل سفر کی وجہ سے پھٹ گیا ہے۔ اس کو دھلوا بھی دیں اور سلوا کر بھی دیں۔ اس عرصہ کے لئے مجھے کوئی اور کرتہ دے دیں۔ اس نے جو کرتہ آپ کو دیا آپ نے اس کو واپس کرتے ہوئے ارشاد عالی شان فرمایا کہ نہیں میرا کرتہ اس سے زیادہ پسینہ جذب کرتا ہے۔

اس پادری نے کہا کہ اگر آپ شہر میں داخل ہونے سے قبل اچھے کپڑے پہن لیں اور گھوڑے پر سوار ہو جائیں تو رومیوں کی نظر میں عظمت بہت بڑھے گی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

''اللہ رب العزت نے ہمیں جو عزت بخشی ہے۔ وہ اسلام سے ہے ان اضافی چیزوں سے نہیں اس لئے ان چیزوں کی ہمیں قطعی ضرورت نہیں۔

اب رؤسائے بیت المقدس آپ سے ملاقات کے لئے آئے آپ نے یہ عہد نامہ اپنے سامنے لکھوا دیا۔

عہد نامہ

ترجمہ: ''یہ وہ امان نامہ ہے۔ جو امیر المومنین عمر بن خطاب نے ایلیا والوں کو دیا ہے۔ ایلیا والوں کی جان، مال گرجے، صلیب، بیمار اور تندرست سب کو امان کی دی جاتی ہے۔ اور ہر مذہب والے کو امان دی

جاتی ہے۔ ان کی عبادت گاہوں میں سکونت نہ کی جائے گی۔ اور نہ مسمار کی جائیں گی۔ یہاں تک کہ ان کے احاطوں کو بھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور مال و دولت میں کسی قسم کی کمی کی جائے گی۔ نہ مذہب کے بارے میں کسی قسم کا کوئی تشدد کیا جائے گا۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی کو کوئی ضرر پہنچایا جائے گا۔ اور ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ اور ایلیا والوں کا فرض ہے کہ وہ جزیہ دیں۔ اور یونانیوں کو نکال دیں۔ پس یونانیوں یعنی رومیوں میں سے جو شہر سے نکل جائے گا۔ اس کے جان و مال کو امان دی جاتی ہے۔ جب تک وہ محفوظ مقام تک نہ پہنچ جائے۔ اور اگر کوئی رومی ایلیا میں ہی رہنا پسند کرے گا تو اس کو باقی شہریوں کی طرح جزیہ دینا ہوگا۔

''اگر ایلیا والوں میں سے کوئی شخص رومیوں کے ساتھ پسند کرے۔ تو اس کو بھی امان ہے، یہاں تک کہ کسی محفوظ مقام تک پہنچ جائے۔

جو کچھ بھی اس عہد نامہ میں درج ہے۔ اس پر اللہ اور اللہ کا رسول اور خلیفہ اور دیگر تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ بشرطیکہ اہل ایلیا مقررون جزیہ کی ادئیگی سے انکار نہ کریں۔''

اس عہد نامہ پر علاوہ فاروق اعظم، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت خالدؓ ،ولید سیف اللہ، حضرت عمر بن العاص، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت امیر ویہ بن ابی سفیان نے گواہی کے طور پر دستخط کئے۔ اب حضرت فاروق اعظمؓ کے از صلح شہر میں داخل ہوئے افسوس آج بیت المقدس مسلمانوں سے چھن چکا ہے۔

اور کروڑہا مسلمان محض زبانی جمع خرچ پر ہی اکتفا کئے ہوئے ہیں۔

صبح ہوئی تو بڑا پادری جس کا نام صفرنیوس تھا، آیا اور آپ کو شہر کی سیر کرانے کو لے گیا۔ آپ ہزار سال پرانے شہر کو دیکھنے چلے گئے۔ بیت المقدس کی سیر کے دوران جب امیر المومنین صخرۃ العقوب پہنچے تو دیکھا کہ گندگی کے ڈھیر پڑے ہیں آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے غلاظت اٹھانا شروع کر دی۔ آپ کی دیکھا دیکھی دیگر صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس کار خیر میں شریک ہو گئے۔ اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا۔ صفرنیوس نے عرض کیا کہ آپ اس جگہ نماز ادا فرمائیں۔ آپ نے یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ۔

"اگر آج میں یہاں نماز پڑھ لی تو مسلمانوں کے ہاں اس کی طرح پڑھنے رسم جاری ہو جائے گی اور اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے گرجاؤں کو مسجد بنا لیں مگر میں اس کی طرح ڈالنا نہیں چاہتا۔"

یہ ہے اس خطاب عظیم کا اثر جو کہ رسالت مآب ﷺ نے عطا فرمایا تھا۔ یعنی فاروق یہی نہیں بلکہ فاروق اعظم نے بطور احتیاط ان کو ایک اور عہد نامہ بھی تحریر کر دیا۔ جس میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی تھی کہ گرجے ہمیشہ عیسائیوں کی تحویل میں ہی رہیں گے۔ اور مسلمان زائرین میں سے ایک وقت میں ان کے اندر جا سکتے ہیں۔ پوری عالمی تاریخ اس کی کوئی تاریخ اور مثال مہیا کرنے سے قاصر ہے۔

فتح مصر سنہ ۲۰ھ بمطابق ۶۴۱ء

خطہ مصر صدیوں پرانی تہذیب کا مرکز تھا۔ اور ہے بھی عہد فاروق اعظم میں

یہاں پر رومی قابض تھے۔ مگر ایرانی اور رومیوں کی اکثر اس خطہ پر قبضہ کے لئے جنگ ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایرانیوں نے یہاں فتح حاصل کی۔ اور نو برس تک یہاں حکومت کی۔ سورۃ روم میں انہی واقعات کا ذکر ہے۔ آخر کار رومیوں نے دوبارہ یہاں قبضہ حاصل کر لیا۔

عہد فاروق اعظم میں ایک رومی عیسائی مقوقس نامی مصر کا حاکم تھا حضرت عمرؓ بن العاص نے امیر المومنین سے دوران فتح بیت المقدس جہاد مصر کی اجازت طلب کی تھی۔ مگر اجازت نہ پا کر خاموش ہو رہے تھے۔ آخر کار چند معروضات حضرت سعدؓ نے خدمت امیر المومنین میں پیش کیں اور اجازت حاصل کر لی۔

رومی سپہ سالار اطربون بیت المقدس سے فرار ہو کر مصر میں پہنچ چکا ہے۔ اس کی کوشش ہے کہ کافی لشکر جمع کر کے شام و فلسطین پر حملہ کر دے اس کو روکنا ضروری ہے۔

مصر میں قبطی کاشتکار اور محنت کش انتہائی کسمپرسی کا شکار ہیں اور انکی پیداوار تمام کی تمام حکومت لے جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قیصر کو ایک خط لکھ کر ان کی زبوں حالی دور کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ آج ہم اس قابل ہیں کہ دینی فریضہ سرانجام دے سکیں۔

ان دلائل کی روشنی میں جہاد مصر کی اجازت حضرت عمرو بن العاص کو مل گئی۔

چنانچہ ابتداء اسلامی لشکر نے مصر کے ایک شہر فرحا سے کی اور ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد فتح حاصل کی۔

جنگ بلبیس کی فتح ۱۸ھ بمطابق ۶۳۹ء

فرحا کی شکست نے رومیوں کو ایک بڑا لشکر ترتیب دینے پر مجبور کر دیا۔

انہوں نے بلبیس کے مقام پر ایک بڑی فوج جمع کی۔ رومیوں کا سالار اعظم اطربون تھا شدید جنگ ہوئی اور اطربون اس جنگ میں قتل ہو گیا۔

بابیون کی فتح ۲۰ھ بمطابق ۶۴۱ء

یہاں بھی رومیوں نے خود کو شہر میں بند کر لیا۔ کافی عرصہ تک محاصرہ قائم رہا مگر آخر کار رومیوں نے صلح کر لی اور شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

اسکندریہ کی فتح ۲۰ھ بمطابق ۶۴۱ء

اس کے فوری بعد ہی مسلمانوں نے اسکندریہ کو بھی ایک طویل محاصرہ کے بعد فتح کر لیا۔ جب اسکندریہ کی فتح کی خبر امیر المومنین کو ملی تو بے اختیار سجدہ شکر ادا کیا۔ کیونکہ کل مصر کی فتح اب زیادہ دور کی بات نہیں تھی۔ رفتہ رفتہ حضرت عمر بن العاص کی سرکردگی میں تمام مصر فتح ہو گیا۔ اور اہل اسلام نے تاریخ کا رخ اپنی جانب موڑ لیا

شہادت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا فاروق اعظم کی شہادت ایک بہت بڑا سانحہ تھا۔ واقعہ یوں تاریخ میں ملتا ہے کہ ۲۶ ذی الحج ۲۳ھ نماز فجر کی ادائیگی کے لئے امیر المومنین مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ ابھی تکبیر کہی ہی تھی کہ ایک شخص نے خنجر کے پے در پے وار کر دیئے جس سے آپ کی آنتیں کٹ گئیں۔ جب پکڑا گیا تو اس نے اسی خنجر سے اپنا خاتمہ کر لیا اور اس سازش کو بھی ختم کر ڈالا۔ ورنہ معلوم ہو جاتا کہ اس کو آمادہ کرنے والے کون لوگ تھے۔ مگر خنجر نے کافی کہانی بیان کر دی۔

تفصیل کچھ یوں ہے کہ فاروق اعظم کے لعین قاتل کا نام ابولولو فیروز تھا۔ یہ عیسائی تھا۔ مگر ایرانی تھا۔ اس کو نہاوند کی جنگ میں گرفتار کیا گیا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے پاس ہی رہتا تھا انہی کی پرزور سفارش پہ مدینہ منورہ حضرت فاروق نے بلوایا۔ ایک مرتبہ اسی نے فاروق اعظم کی خدمت میں حضرت مغیرہؓ کی شکایت کی مگر حضرت عمر فاروق نے اس کو غلط بتایا کہ تم کہہ رہے ہو۔ اس انتقام کی وجہ سے اس صبح اس نے آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ حالانکہ اتنی سی بات کے لئے ایک حاکم وقت کو قتل کر دینا ناقابل یقین سی بات معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ اس عظیم سانحہ کے در پردہ اصل میں ایک ایرانی گورنر ہرمزان تھا جو گرفتار کر کے مدینہ منورہ لایا گیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا تو اس نے یہ کہا کہ میں پانی پینا چاہتا ہوں۔ پانی لایا گیا۔ مگر اس نے پینے سے انکار کر دیا وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ مجھے خوف ہے کہ مجھے پانی پینے کے دوران قتل نہ کر دیا جائے۔ حضرت فاروق اعظم نے وعدہ کر لیا کہ جب تک پانی نہیں پی لیتے تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس نے یہ سن کر پانی کو زمین پر انڈیل دیا اور قتل ہونے سے بچ گیا۔ اسی ہرمزان کا یہ خنجر تھا۔

مگر سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ آخر اس کو مدینہ منورہ سے نکالا کیوں نہیں گیا یا پھر اس کو قید کر دیا جاتا آخر اس کو پیاس نے تنگ کرنا ہی تھا۔ پانی پی لیتا تو پھر اس کو قتل کر دیا جاتا۔ مگر وہ ہوا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

اب ایک مسئلہ امیر المومنین کے پیش نظر تھا کہ حکومت کس کے حوالے کی جائے کیونکہ اس قدر وسیع وعریض حکومت کو ایک دن کے لئے بھی بے یارو مددگار نہیں

چھوڑا جا سکتا آپ کو معالجین نے بتایا کہ جان بچنے کی کوئی امید باقی نہیں ہے۔ تو آپ نے لوگوں سے مشورے شروع کر دیئے۔ آپ نے بارہا فرمایا کہ اگر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح یا حضرت سالم زندہ ہوتے تو ان کو نامزد کر دیتا۔ کسی نے کہا کہ آپ حضرت عبداللہ یعنی اپنے بیٹے کو کیوں نہیں اپنا جانشین بنا دیتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تجھے غارت کرے تو مجھے کس راستے کی طرف لے جا رہا ہے۔

بہت زیادہ نقاہت ہو چکی تھی روایات کے مطابق بات کرنا بھی از حد مشکل ہو چکا تھا۔ آخر آپ نے ایک مجلس مشاورت قائم کر دی اور حکم فرمایا کہ ان چھ اشخاص میں سے کسی کو امیر المومنین منتخب کیا جائے۔ ان ہستیوں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱ حضرت علیؓ ۲ حضرت عثمان غنیؓ ۳ حضرت زبیر بن العوامؓ ۴ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ ۵ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ۶ حضرت سعد بن ابی وقاص

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کو بھی ان میں شریک کیا مگر صرف مشورہ کی حد تک۔ خلافت کے امیدواروں میں شامل نہیں تھے۔

اس کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت دیں۔ اجازت مل گئی اور آپ اپنے دونوں رفیقوں کے ساتھ ہی مدفون ہوئے۔

محمد حسین ہیکل کے تاثرات

مصر کے معروف محقق سیدنا فاروق اعظم کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

ترجمہ: ''دس برس اور کچھ ماہ حضرت عمرؓ نے امیر المومنین کی حیثیت سے گزارے۔

آپؓ اللہ اور اس کے دین کے لئے وقف تھے۔ اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کی آپ کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ آپ کا دل آپ کی عقل اور آپ کے اعضاء وجوارج اس عظیم بوجھ کو اٹھانے میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ جو قضاء وقدر نے ان کے کندھوں پر ڈال رکھا تھا۔ چنانچہ آپ فوج کے سپہ سالار اعظم بھی تھے۔

فقہائے اسلام میں آپ کو فقیہہ اکبر کا درجہ حاصل ہے آپ ایک ایسے مجتہد تھے جن کی رائے کو سند کا درجہ حاصل تھا۔ آپ کا اجتہاد تسلیم کیا جاتا تھا۔ آپ ایسے انصاف پسند اور پاک دامن قاضی تھے جو مقدمات کے فیصلوں میں طاقت وروں سے کمزور کو حق دلواتے تھے۔ آپ تمام مسلمانوں کے بڑے سے پہلے چھوٹے۔ طاقتور سے پہلے کمزور اور مالدار سے پہلے غریب کے۔ شفیق اور مہربان باپ تھے۔ آپ بندہ مومن تھے۔ جن کے اللہ اور اس کے رسول پر سچے ایمان نے ان کی خود اعتمادی میں اضافہ کر دیا تھا۔ اور آپ کی رائے کی قدر وقیمت ان پر اچھی طرح واضح کر دی تھی

آپ ایک تجربہ کار سیاست دان تھے جو اپنے ارادوں کو جانتے تھے اور انہیں اپنی مقدرت سے باہر نکلنے نہیں دیتے تھے۔ اور ان کی مقدرت کے ساتھ ساتھ ان کے ارادے بھی وسیع ہو جاتے تھے آپ ایک صاحب نظر حکمران تھے۔ جن کی عقل وحکمت نے ان کے لئے مختلف النسل، مختلف انسان اور مختلف المذاہب قوموں پر حکومت کرنا آسان بنا دیا تھا۔ آپ رعایا کے معاملات کی تدبیر اس طرح کرتے تھے کہ لوگ ان سے کترائیں بلکہ قریب تر ہو جائیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان خصوصیات کو دیکھتے ہوئے کوئی تعجب نہیں اگر ان کے عہد اور انہی کے دور حکومت میں مسلمانوں کو سچے ایمان نے

ابھارا۔ ان کے دلوں میں شہادت فی سبیل اللہ کی تڑپ پیدا کی اور انہوں نے ایران۔ شام، عراق، مصر اور دوسرے ممالک فتح کر لیئے۔ اور فاروق اعظم کے ان امتیازات کے پیش نظر کوئی حیرت نہیں اگر عرب مغرب کی انتہائی حدوں سے لیکر مشرق کے انتہائی سروں تک تمام دنیا کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ حالانکہ اسلام سے پہلے وہ ایک خانہ بدوش قوم تھے۔ جو صرف انفرادی اغراض کے لئے چلتی تھی۔ اور اجنبی اقتدار کی محکوم تھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدنا عثمان غنی

ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام ونسب

عثمانؓ بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب۔ حضرت عثمان غنیؓ کی کنیت ابوعمر اور ابوعبد اللہ تھی۔ قبل از سلام آپ کی کنیت ابوعمرو تھی۔ قبول اسلام کے بعد جب حضرت رقیہؓ سے آپ کے بیٹے عبداللہ پیدا ہوئے تو آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہوگئی حضرت عثمان غنیؓ کی نانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ﷺ کے والد محترم کی حقیقی بہن تھیں۔ جو حضرت عبداللہ کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں اس لحاظ سے حضرت عثمان غنیؓ حضور نبی کریم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے۔

حلیہ مبارک وفضائل

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ درمیانے قد کے مالک اور خوب صورت شخص تھے۔ آپ کی داڑھی خوب گھنی تھی۔ آپ کشادہ قد وقامت کے حامل تھے۔ چہرہ سفید ہونے کی وجہ سے سرخی مائل لگتا تھا۔ آپ کے شانے خاصے دراز تھے۔ دندان مبارک بہت چمکدار اور خوبصورت تھے۔ بقول حضرت عبد اللہ بن خرم'' میں نے حضرت عثمان سے زیادہ خوبصورت کسی مرد وعورت کونہیں دیکھا۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''عثمان میرے قریب سے گزرے تو مجھے فرشتے نے کہا کہ مجھے ان سے شرم آتی ہے۔ کیونکہ قوم ان کو قتل کر دے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی شان ہے کہ جس طرح عثمان اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے حیا کرتے ہیں فرشتے ان سے حیا کرتے ہیں۔ حضرت امام حسن حضرت عثمان غنی کی حیا کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔ جب بھی حضرت عثمان نہانا چاہتے تو دروازے کو بند کر کے بھی کپڑے اتارنے میں اس قدر شرماتے کہ کمر سیدھی نہ کر سکتے تھے۔

ہجرت

حضرت عثمان غنی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے بعثت نبوی ﷺ سے قبل اپنی دختر سیدہ رقیہ کی شادی کر دی تھی۔ اہل اسلام میں سب سے پہلے انہی دونوں نے مدینہ سے حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ اللہ کے رستے میں ہجرت فرمائی وہ سیدنا عثمان ہیں۔

حضرت نضر بن انس فرماتے ہیں کہ میں نے ابوحمزہ یعنی حضرت انس سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان حبشہ کی جانب ہجرت کے لئے چلے۔ آپ کے ہمراہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سیدہ رقیہ حضور ﷺ کی صاحبزادی بھی تھیں۔ حضور ﷺ کے پاس ان کی خیر خبر پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ ایک قریشی عورت آئی اور کہنے لگی یا محمد ﷺ میں نے آپ کے داماد کو دیکھا اور ان کے ساتھ ان کی زوجہ بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان دونوں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ عثمان نے اپنی زوجہ کو گدھے پر سوار کر

رہا تھا اور خود اس کی رسی پکڑ کر چلا رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ ان دونوں کے ساتھ ہے۔ بے شک عثمان حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اپنے اہل وعیال کے ہمراہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ کے لئے ہجرت کی۔

حبشہ کے بعد دوسری ہجرت حضرت عثمانؓ بن عفان نے مدینہ منورہ کی جانب فرمائی۔ یوں آپ کو دو ہجرتین کا خطاب عطا ہوا۔

حضرت سیدہ رقیہ کا انتقال پر ملال مین جنگ بدر کے دن ہوا انہی کی تیمارداری کی وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ جنگ بدر میں شامل نہ ہو سکے۔ لیکن آپ کو اصحاب بدر میں ہی شمار کیا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو مال غنیمت سے برابر کا حصہ عطا فرمایا اور آپ کی شادی اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ سے فرما دی۔ اور اس طرح آپ کو ذوالنورین کا خطاب بھی حاصل ہوا۔ تاریخ گواہ ہے کہ کوئی بھی ایسا شخص نہیں گزرا جس کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔

ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ منورہ آ گئے تو وہاں پر انہیں پانی کی قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں ایک یہودی کا کنواں تھا لیکن وہ پانی بہت مہنگا فروخت کرتا تھا۔ مہنگا پانی خریدنا اس زمانے میں مسلمانوں کے لئے اتنا آسان نہیں تھا۔ کیوں کہ نئے نئے گھر بار اور کاروبار چھوڑ کر آئے تھے۔ آپ نے وہ کنوں اس یہودی سے پچیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ مگر افسوس کہ جب قاتلوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو اس کنوئیں سے پانی بھی امیر المومنین کو نہ مل سکا۔

خلافت عثمان۔ ۲۴ھ تا ۳۵ء

سیدنا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقت شہادت خلیفہ کے انتخاب کے لئے تین یوم کی مہلت کی وصیت فرمائی تھی۔ اور حضرت مقداد کو نگران مقرر فرمایا تھا نامزد شدہ چھ اصحاب کی مجلس میں کسی اور کو مت جانے دیں یہاں تک کہ وہ لوگ خلیفہ کا انتخاب کر لیں مگر صرف رائے دینے کے لئے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو جانے کی اجازت تھی۔ صرف رائے کی اجازت تھی خلیفہ کے انتخاب میں حصہ لینے سے منع فرمایا تھا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ سے جب کسی نے خلیفہ کو نامزد کرنے کے لئے اصرار کیا تو فرمایا کہ۔

''میں صدیق اکبرؓ کی سنت پر عمل کرتے کسی بھی شخص کو خلیفہ مقرر کرنا چاہوں تو میں ایسا کر سکتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کر کے کسی کو بھی اپنے بعد نامزد نہ کروں تو یہ بھی میرے لئے جائز ہے۔ ہاں میں اگر کسی کو بھی اپنے بعد خلیفہ نامزد کرتا تو وہ ابو عبیدہ بن الجراح تھے۔ جو مجھ سے پہلے فوت ہو گئے اور یا پھر میں حذیفہ کے غلام سالمؓ کو خلیفہ بناتا مگر وہ بھی مجھ سے پہلے فوت ہو گئے۔''

اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ حضرت عثمان غنی، حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو نامزد فرمایا حضرت مقدادؓ بن الاسود اور حضرت ابو طلحہؓ انصاری نے بمطابق وصیت فاروق اعظم تین یوم کے لئے حضرت صہیبؓ کو عارضی خلیفہ مقرر کر دیا۔ اور خود اپنے آدمیوں کی جمعیت لیکر درج بالا اصحاب کو لیکر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مکان میں چلے گئے اور ان اصحاب کو اندر بھیج کر خود باہر نگران پر مامور ہو گئے تھے۔

جب سب لوگ اطمینان سے بیٹھ گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ جو لوگ خلافت کے لئے نامزد کئے گئے ہیں ان میں سے کون ہے جو اپنے آپ کو خلافت سے دستبردار قرار دیتا ہے۔ اس کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ جس کو تم میں سے سب سے افضل و لائق سمجھے اس کو خلیفہ مقرر کر دے۔ اس بات کو سن کر سبھی خاموش رہے۔ تھوڑے انتظار کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اعلان فرمایا کہ میں خود کو خلافت سے دستبردار کرتا ہوں اور انتخاب خلیفہ کے کام کو انجام دینے کو تیار ہوں۔ یہ سن کر سبھی اصحاب نے پرزور تائید کی۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو یہ اختیار دیا کہ جس کو چاہیں خلیفہ مقرر فرما دیں۔ اس کے بعد اجلاس کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ کیونکہ ابھی تین ایام کی مہلت باقی تھی۔ اب سارا بوجھ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے کاندھوں پر آن پڑا تھا۔ ان تین دنوں میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے موجود جلیل القدر صحابہ سے تفصیلی صلاح مشورہ کیا۔ اور خود بھی اس مسئلہ پر اچھی طرح سوچ بچار کیا۔

اسی سلسلہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ "میں نے عثمانؓ کو اکیلے میں پوچھا کہ اگر میں آپ کی بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس کی بیعت کرنے کی رائے دیں گے تو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا علیؓ کے ہاتھ بیعت کرنی چاہیے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ سے سوال کیا تو انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کا نام لیا پھر میں نے زبیرؓ سے یہی سوال کیا تو انہوں نے عثمانؓ کا نام لیا۔ اس کے علاوہ دیگر صائب الرائے اصحاب نے عثمانؓ کا ہی نام تجویز کیا۔ تین ایام کے خاتمے پر تمام نامزد اصحاب ماسوائے حضرت طلحہؓ مذکورہ مکان پر جمع ہوئے کیوں کہ اتفاق سے اس روز حضرت طلحہؓ مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعدؓ دونوں کو الگ الگ کر کے مشورہ لیا کہ عام لوگوں کی رائے علیؓ

اور عثمانؓ پر ہے۔ اور ان دونوں نے بھی ایک دوسرے پر رائے دی ہے۔ جس پر حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ جناب ہم سے تو بیعت لے کر ہمیں اس جھگڑے سے نکالیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ یہ کس طرح ممکن ہے میں تو خلافت کے حق سے ہی دستبردار ہو چکا ہوں۔

خیر ساری رات باہم مشاورت میں گزری اور سپیدہ سحر نمودار ہونا شروع ہوا۔ نماز فجر کے وقت مسجد نبوی اصحابہ کرام سے بھری ہوئی تھی۔ کیونکہ اسی صبح کو نئے خلیفہ کا اعلان ہونا تھا۔ نماز فجر کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار برملا کرنا شروع کر دیا جس پر حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے فرمایا کہ اب دیر کرنا درست نہیں اندیشہ ہے مسلمانوں میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہو جائے۔ آپ جلدی اپنی رائے کا اظہار فرما دیں۔ اور اس مسئلہ کو ختم کریں۔ حضرت عبدالرحمٰن اٹھے اور حاضر کو خاموش ہونے کا کہہ کر فرمایا۔

''جہاں تک میری طاقت میں تھا۔ میں نے ہر طبقہ اور ہر گروہ کی رائے معلوم کر لی ہے اور اس کام میں غفلت نہیں برتی ہے۔ میرے فیصلے سے اب کسی کو انکار کا حق حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ رضا و رغبت تمام اصحاب شوریٰ اور نامزدگان خلافت نے میرے فیصلے کو ناطق تسلیم کیا ہے۔ اور میں اپنی تمام طاقت صحیح فیصلوں تک پہنچے کے لئے صرف کر چکا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے حضرت عثمان غنی کو قریب بلا کر فرمایا کہ اللہ اور رسول اللہ کے احکام اور سنت پر چلنے کا اقرار کیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے اقرار کیا۔ اس کے بعد سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بیعت کی۔ ان کی بیعت کے ساتھ ہی دیگر اصحاب رسول نے بھی بیعت کرنا شروع کر دی۔ حضرت علیؓ بھی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے

اور حضرت عثمانؓ کے دست پر بیعت کی۔ حضرت طلحہؓ چونکہ اس دن مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے اس لئے انہوں نے اگلے روز بیعت کی۔

بیعت کے بعد حسب دستور و سنت حضرات شیخین حضرت عثمان غنیؓ نے خطبہ خلافت ارشاد فرمایا۔

''اے لوگو! تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ اے لوگو! پہلی سواری دشوار ہے۔ اور آج کے دن کے بعد اور بھی دن آئیں گے۔ اگر میں زندہ رہا تو آپ لوگوں سے خطاب کرتا رہوں گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ بے شک تم سب بدل جانے والے مکان میں ہو اور باقی ماندہ عمر میں اپنی موت سے پہلے بھلائی کی طرف جلدی کرو جہاں تک تم سے ہو سکے۔ وہ موت تمہارے پاس صبح و شام میں لائی جانے والی ہے۔ سن لو! بے شک دنیا دھوکہ پر لپیٹی گئی ہے۔

ان لوگوں سے عبرت حاصل کرو جو گزر گئے ہیں اس کے بعد کوشش کرو اور غفلت نہ برتو۔ تب سے تم بھی غفلت نہ برتی جائے گی۔ ابنائے دنیا اور اخوان دنیا کہاں چلے گئے۔ جنہوں نے ساری دنیا چھانی اور دنیا کو آباد کیا۔ اور ایک عرصہ دراز تک نفع اٹھایا۔ کیا دنیا نے انہیں ڈال نہیں دیا تم دنیا کو دور کرو اس لئے کہ اللہ نے بھی دنیا کو پھینکا ہے۔ اور آخرت کو طلب کرو۔ اس لئے کہ اللہ پاک نے اس کے لئے ایک مثال بیان کی ہے۔ اور اس چیز کے لئے بھی جو اس سے بہتر ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے کلام اللہ شریف میں فرمایا'' اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان فرمایئے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو۔ پھر اس کے ذریعے سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئی ہوں۔ پھر ریزہ ریزہ ہو جائے۔ کہ اس کو ہوا اڑائے پھرتی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہے۔ اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار

سے بھی ہزار درجہ بہتر ہے۔ اور امید کے اعتبار بھی ہزار درجہ بہتر ہے۔" (سورہ ۱۸ ع ٦)

بے شک میں نے بوجھ اٹھایا اور قبول کیا۔ بے شک میں متبع ہوں موجد نہیں۔ سن لو! تمہارے لئے میرے اوپر اللہ عزوجل کی کتاب کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بعد تین باتیں ہیں۔

(۱) ان لوگوں کا اتباع کرنا جو مجھ سے پہلے تھے (یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ان باتوں میں جن پر تمہارا اتفاق ہو گیا ہے اور تم نے ایک طریقہ جاری کر دیا ہے۔

(۲) اور اس جماعت میں سے اہل خیر کے اس طریقہ پر عمل کرنا ہے۔ جس کے لئے کوئی طریقہ تم نے مقرر نہیں کیا ہے۔

(۳) اور تم سے میرے لئے رکنا ہے۔ مگر اس معاملے میں جس کو تم واجب کر لو۔

اور بے شک دنیا سبز ہے لوگوں کی طرف مرغوب ہے اور بہت سے لوگ دنیا کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ تم دنیا کی طرف مائل نہ ہونا۔ نہ ہی اس پر اعتماد کرنا۔ یہ اعتماد کی چیز نہیں ہے۔ اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا چھوڑنے والی نہیں مگر یہ کہ کوئی خود اس کو چھوڑ دے۔"

فتوحات اور قابل ذکر واقعات خلافت عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابتدائی سال میں تو کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا۔ سوائے اس کے کہ قیصر روم ہرقل اسکندریہ کی پہلی فتح سے سات ماہ قبل مر چکا تھا۔ جب ہرقل فرار ہوکر قسطنطنیہ میں چلا گیا تھا۔ وہیں یہ مر گیا تھا۔ کیونکہ تمام ملک مسلمانوں نے فتح کر لئے تھے اور بیت المقدس پر بھی اہل اسلام قابض ہو چکے تھے۔ ان واقعات کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔ ہرقل اعظم اب ان علاقوں کی واپسی سے ناامید ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس نے باقی ماندہ علاقوں کی حفاظت پر تمام طاقت کو صرف کرنے کی ٹھان لی۔ مگر جب حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر پر فوج کشی کی تو مقوقش شاہ مصر نے جزیہ کی ادائیگی پر صلح کر کے مصر و اسکندریہ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ چونکہ مصر کو بھی ہرقل اپنی سلطنت کا ایک صوبہ ہی سمجھتا تھا۔ اور مقوقش اس کا ایک ماتحت ہی تھا۔ اس لئے مصر کی فتح سے ہرقل بہت دلگرفتہ ہو۔ انہی صدمات سے اس کی موت واقع ہوئی۔ یہ عہد خلافت حضرت عمر تھا۔

اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین تخت نشین ہوا۔ اس نے اسکندریہ پر زبردست فوج کشی بحری راستے سے کی۔ اسکندریہ میں مقوقش نے رومیوں کو روکنا چاہا۔ اور مسلمانوں سے کئے گئے اپنے عہد پر قائم رہا۔ مسلمانوں کو بھی اس کی فوج کشی کا حال معلوم ہوا تو وہ بھی فسطاطہ (قاہرہ) سے نکل آئے۔ راستے میں رومی اور اسلامی فوج کا سامنا ہوا۔ بہت خون ریز جنگ ہوئی۔ اس میں مسلمانوں کو اس وقت کامیابی ہوئی جب رومی افواج کا سالار اعظم قتل ہوا۔ حضرت عمرؓ بن العاص نے کمال

دانش مندی سے ان کو شکست دی۔ اور بچا کھچا لشکر رومیوں کا بحری کشتیوں میں قسطنطیہ کی جانب فرار ہو گیا۔ حضرت عمرؓ بن العاص نے تمام نقصانات جو اہل اسکندریہ کو رومیوں نے پہنچائے تھے ادا کیے۔ کیوں کہ وہ جزیہ دیتے تھے اور اپنے عہد پر قائم تھے۔

فاروق اعظم کی شہادت کی خبر نے ہی رومیوں کو اسکندریہ پر قبضے پر ابھارا تھا اور یہی حالت ایرانی صوبوں میں بھی پیدا ہوئی۔ وہاں پر بھی ایرانیوں نے کہا کہ اب ہم عربوں کی رعایا بن کر نہیں رہیں گے ان بغاوتوں کا حال سن کر حضرت عثمانؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ، براءؓ بن عازب اور قرظؓ بن کعب جیسے سرداروں کو مقرر فرمایا تھا۔ ان سرداروں نے جلد ہی بغاوتوں کو فرو کر دیا۔

فتح افریقہ

حضرت عبد اللہ بن سعدؓ نے امیر المومنین سے اجازت طلب کی کہ شمالی افریقہ پر جہاد کیا جائے۔ اس زمانہ میں افریقہ ایک براعظم کا نام تھا۔ لیکن اس میں افریقہ نام کی ایک ریاست بھی تھی۔ جو طرابلس اور طنجہ کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ اور افریقہ ان تمام علاقوں کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا تھا جو آج کل براعظم افریقہ کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ یعنی طرابلس، الجیریا، تیونس، اور مراکش وغیرہ۔

حضرت عثمانؓ سے اجازت حاصل کر کے حضرت عبد اللہؓ بن سعد نے دس ہزار فوج کے ساتھ مصر سے خروج کیا۔ اور برقہ کے علاقے کے سرداروں کو مغلوب کیا ان کو پہلے حضرت عمرو بن العاص بھی مغلوب کر چکے تھے۔ اس لئے ان سے جنگ و قتال کی نوبت نہیں آئی جب حضرت عبد اللہ بن سعد طرابلس کی جانب بڑھنے لگے تو

امیر المومنین نے ایک فوج کی مدد کے لئے روانہ فرمائی جس میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عمر بن العاصؓ حضرت حسن بن علیؓ حضرت حسین بن علیؓ اور حضرت ابن جعفر جیسے جلیل القدر لوگ بھی شامل تھے۔

یہ فوج براستہ مصر براقہ پہنچ گئی۔ جہاں عبداللہ بن سعدؓ نے پرجوش استقبال کیا۔

یہ متحدہ لشکر اب طرابلس کی طرف عازم جہاد ہوا۔ رومیوں نے طرابلس سے باہر نکل کر مسلمانوں سے مقابلہ کیا۔ مگر اسلامی لشکر نے فتح حاصل کی۔ اور طرابلس فتح ہو گیا اب اسلامی لشکر نے ریاست افریقہ کا قصد کیا۔ افریقہ کا حکمران جرجیر بادشاہ تھا جو کہ قیصر روم کا ماتحت اور خراج گزار تھا۔ اس نے اسلامی لشکر کی آمد کی خبر پاتے ہی ایک لاکھ بیس ہزار فوج اکٹھی کر کے دن رات سفر کرتے ہوئے اسلامی لشکر کو راستے ہی میں آلیا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے خیمہ زن ہو گئے۔ تو حضرت عبداللہؓ بن سعد نے عیسائیوں کے لشکر کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر جرجیر نے انکار کر دیا۔ اور جزیہ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ اب دونوں لشکروں میں بہت شدید لڑائی ہوئی۔ مقابلہ برابر کا تھا فتح و شکست کی بابت وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اسی دوران مسلمانوں کو تازہ کمک پہنچ گئی۔ یہ تازہ کمک امیر المومنین نے حضرت عبدالرحمن بن زبیر کی سرکردگی میں روانہ فرمائی تھی۔

ان کی آمد کی خبر ملتے ہی اسلامی لشکر نعرہ تکبیر اللہ اکبر سے گونج اٹھا۔

جب جرجیر کو یہ خبر ملی کہ اسلامی لشکر کی تازہ دم فوج کی کمک آ چکی ہے تو وہ بہت فکر مند ہوا۔ مگر سارا دن لڑائی ہوتی رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اگلے روز جب صف بندی ہو رہی تھی تو حضرت زبیرؓ نے حضرت عبداللہ کو میدان جنگ میں نہ پایا

دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جرجیر نے یہ اعلان اپنی فوج میں کروادیا ہے کہ جو حضرت عبداللہ بن سعد کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو ایک لاکھ دینار بطور انعام کے علاوہ جرجیر کی بیٹی کے ساتھ شادی بھی کردے گا۔ یہ سن کر حضرت زبیرؓ حضرت عبداللہؓ کے خیمہ میں گئے اور کہا کہ آپ بھی اسلامی لشکر میں اعلان کروادیں کہ جو شخص جرجیر کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو مال غنیمت سے ایک لاکھ دینار دیا جائے گا اور جرجیر کی بیٹی سے اس کا نکاح کردیا جائے گا نیز جرجیر کے ملک کا حاکم بھی بنادیا جائے گا۔

جب یہ اعلان حضرت عبداللہ بن سعد نے اسلامی لشکر میں کروادیا تو جرجیر کو بہت فکر لاحق ہوگی۔ اس دن بھی سخت معرکہ آرائی ہوئی مگر فیصلہ نہ ہوسکا۔ رات کو جب مشاورت ہوئی تو حضرت زبیرؓ نے رائے دی کہ اگلے دن اسلامی لشکر کی آدھی فوج تو میدان جنگ میں لڑے جب کہ آدھی فوج خیموں میں رہے۔ جب شام کو دونوں افواج تھکی ماندی خیموں کو واپس آنے لگے تو تازہ دم فوج رومیوں پر حملہ کردے اسی رائے کو سبھی نے ازحد پسند کیا۔ اور یوں ہی ہوا۔ ابن الزبیر کا مقابلہ جرجیر سے ہوا۔ ابن الزبیرؓ نے ایک ہی وار سے جرجیر کا خاتمہ کرڈالا۔ اور رفتہ رفتہ تمام افریقہ مغلوب ہوگیا۔

فتح قبرص روڈس

حضرت عبداللہ سعدؓ فتح افریقہ کے بعد واپس مصر آگئے۔ اب مصر کے گورنر عبداللہؓ بن نافعہ مقرر ہوئے۔

۲۸ھ میں قسطنطین نے پھر جنگی تیاریاں شروع کردیں اب اس نے ایک بحری فوج

افریقہ روانہ کی۔ اس فوج نے ساحل افریقہ پر اتر کر اس خراج کا مطالبہ کیا جو وہ لوگ پہلے دیا کرتے تھے۔ اور کہا کہ جب مسلمان حملہ آور ہوئے تو قیصر ہماری کوئی مدد نہ کر سکا۔ لہذا اب اس کو خراج دینا اور سیادت قبول کرنا ضروری نہیں رہا۔ جنگ ہوئی تو افریقی افواج کو رومیوں نے شکست دے کر اسکندریہ کا رخ کیا۔ مگر یہاں عبداللہ بن نافعہ نے مقابلہ کیا۔ رومیوں کی افواج کی مدد کے لئے قسطنطین بذات خود چھ سو بحری کشتیوں کے ساتھ آیا۔ بہت خون ریز جنگ ہوئی اور حسب سابق رومیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ قسطنطین اور اس کی تباہ حال فوج نے قبرص میں جا کر پناہ لی۔

ان حالات میں حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت امیر المومنین سے قبرص پر بحری حملے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اس شرط پر اجازت دی کہ بحری حملہ میں زبردستی فوج بھرتی نہ کریں بلکہ جس کا دل چاہے شرکت کرے اور مجبور کسی کو نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریک پر ایک فوج تیار ہو گئی۔ جس میں حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت شداد بن اوسؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ اور ان کی زوجہ حرام بنت لمحان شامل تھے۔ اس لشکر کی امارت حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کی گئی۔ حضرت امیر معاویہ تمام ملک شام کے حاکم تھے مصر اور شام سے عساکر اسلامی ایک ہی وقت میں لنگر انداز ہوئے۔

حضرت ام حرامؓ کشتی سے اتریں اور گھوڑے پر بیٹھیں مگر گھوڑا بدک گیا آپ گر گئیں اور انتقال کر گئیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ان کے متعلق یہ پیشگوئی حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی۔ یہاں قسطنطین نے مقابلے سے جی چرایا۔ اور واپس قسطنطنیہ چلا گیا اور وہیں فوت ہو گیا۔ قبرص پر اسلامی فوجیں نہایت آسانی سے قابض

ہو گئیں۔ اس عرصہ میں حضرت امیر معاویہ بھی لشکر کے ساتھ قبرص پہنچ گئے۔ یہاں کے عمومی معاملات سے فراغت حاصل کر گئے حضرت امیر معاویہؓ نے روڈس کا رخ کیا۔ اہل روڈس نے بہت شدید مزاحمت کی اور بہت سے خون ریز مقابلوں کے بعد روڈس پر بھی اہل اسلام قابض ہو گئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اسی جزیرے میں ایک تانبے کا بہت بلند و بالا بت تھا۔ جس کی ایک ٹانگ جزیدہ کے ساحل پر اور دوسری ٹانگ ساحل کے قریبی ٹاپو پر تھی۔ ان دونوں ٹانگوں کے درمیان اتنی چوڑی آبنائے تھی کہ جہاز اس کے اندر سے ہو کر گزرتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ ﷺ نے اسی بت کو توڑنے کا حکم دیا۔ اور اسی کا تانبہ ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

ایران کا انتظام وانصرام

۲۷ھ کے اوائل میں اہل بصرہ کی شکایت پر امیر المومنین نے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو گورنر مقرر کر دیا انہیں علاوہ گورنری کے عثمان بن العاص ثقفی والی عمان و بحرین کے لشکر کی امار بھی سونپ دی۔ عبداللہ بن معمر خراسان کے گورنر کو فارس صوبے کی گورنری عطا کی۔ اور خراسان کی حکومت عمیر بن عثمان بن سعد کو عطا کی۔ عمیر بن عثمان نے خراسان کے انتظامات سنبھالتے ہی علاقے میں استحکام پیدا کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ فرغانہ تک کا علاقہ فتح کر لیا۔

بغاوت اور اسلامی فتوحات

ان حالات میں جب کہ جلدی جلدی تبدیلیاں ہو رہی تھیں اہل ایران نے ان انتظامی تغیرات کو غنیمت جان کر سازشیں شروع کر دیں۔ اور مسلح ہو کر اسلامی لشکر

کے مقابلے پر اتر آئے۔ان سازشوں کے مرکز اصطخر اور جور دو مقامات تھے۔عبد اللہ بن معمر فارس کے گورنر تھے۔انہوں نے اصطخر پر لشکر کشی کی۔اصطخر کے دروازہ پر شدید جنگ ہوئی اور عبید اللہ بن معمر شہید ہو گئے۔ان کی شہادت کے ساتھ ہی ان کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے میدان چھوڑ دیا۔ان خبروں کو سن کر والئی بصرہ عبداللہ بن عامر لشکر لیکر فارس کی طرف چلے۔ان کے مقدمۃ الجیش کی سرداری عثمان بن العاص کے سپرد تھی خود عبداللہ بن عامر نے اصطخر کی طرف بڑھے اور ہرم بن حیان کو جور کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔

اصطخر کے نواحی علاقے میں ایرانیوں نے اسلامی لشکر کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا مگر بہت ہی خوفناک جنگ کے بعد ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔اور اصطخر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

ادھر ہرم بن حیان کو ایک محاصرہ کئے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا تھا۔ہرم بن حیان دن میں روزہ رکھتے اور جہاد کرتے بعد از افطار رات بھر عبادت کرتے۔اتفاق ایسا ہوا کہ ایک دن انہوں نے افطار کیا تو روٹی نہ ملی اور نہ ہی سحر کے وقت خیر پانی سے روزے رکھتے اور افطار کرتے رہے آخر آٹھ دن بعد جب نکاہت بڑھی تو خادم سے کہا اے بیٹے ایک ہفتے سے میں صرف پانی سے روزہ افطار کر کے روزہ رکھ رہا ہوں۔اور تو مجھے کھانے کے لئے روٹی نہیں دیتا۔خادم نے حیرانگی سے عرض کیا اے سردار یہ کیسے ہو سکتا ہے۔میں تو روزانہ آپ کے لئے روٹی پکا کر جاتا ہوں۔تعجب ہے روٹی آپ کو نہیں ملتی! اگلے دن خادم نے روٹی پکائی اور رکھ دی۔اب اس نے نگرانی شروع کر دی کہ آخر کون روٹی لے جاتا ہے کیا دیکھتا ہے کہ شہر کے اندر سے ایک کتا آیا اور روٹی ــــ۔

کر چل دیا۔ وہ خادم بھی آہستہ آہستہ اس کتے کے تعاقب میں چلنے لگا۔ کتا روٹی لئے فصیل شہر کی جانب گیا اور بدرو کے راستے شہر میں داخل ہو گیا۔ جب خادم نے یہ واقعہ ہرم بن حیان کو سنایا تو انہوں نے اس کو تائید ایزدی سمجھا اور چند بہادروں کو ساتھ لیکر براستہ بدرو شہر میں داخل ہو گئے محافظوں کو بڑی سرعت سے قتل کر کے شہر کا دروازہ اسلامی لشکر کے لئے کھول دیا جو کہ پہلے ہی تیار تھے۔ اسلامی فوج شہر میں داخل ہو گئی اور باغیوں کو سزائیں دیں تا کہ آئندہ بغاوت کا جذبہ نہ سر ابھار سکیں۔

امیر المومنین نے ولید بن عقبہ کی جگہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی گورنری پر مامور کر دیا۔ انہوں نے انتظامی امور سے فارغ ہو کر ایک لشکر تیار کیا جس میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن الیمان جیسے جلیل القدر اصحاب بھی شامل تھے۔ اب لشکر کو تیار کر کے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے طبرستان پر حملہ کیا۔ شدید ترین جنگ و قتال کے بعد طبرستان اور جرجان کے تمام علاقوں اور دیگر مشہور شہروں کو فتح کر لیا۔ ان فتوحات سے فارغ ہو کر یزید بن المہلب کو قوس کی جانب جہاد کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔

اشاعت قرآن کا عظیم کارنامہ

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ جب بصرہ، کوفہ، رے اور شام کے علاقوں سے ہوتے ہوئے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے۔ تو انہوں نے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ عجیب بات ہے کہ میں نے جن علاقوں کو دیکھا وہاں ایک علاقے کی قرات دوسرے علاقے سے مختلف ہی پائی کیا ایسا ممکن نہیں کہ قرات ایک ہو۔ امیر

المومنین نے صائب الرائے اصحاب کے مشاورت میں حضرت حذیفہؓ کی رائے بتائی اور مشورہ چاہا۔ ان سب نے اتفاق کیا۔ اب امیر المومنین نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے کلام اللہ شریف کا وہ نسخہ منگوایا جو صدیق اکبرؓ کے بعد فاروق اعظم کے پاس زیر تلاوت رہا تھا۔ شہادت فاروق اعظم کے بعد یہ نسخہ سیدہ حفصہ کے پاس تھا اس نسخہ کی بہت سی جلدیں معقول اور موزوں ترین لوگوں سے کروائیں۔ یہ نقول تمام علاقوں کے امراء کو روانہ کر کے حکم دیا کہ اس کے مطابق تلاوت کریں۔ اور جو پہلے نقول کسی کے پاس موجود ہیں احسن طریقے سے ختم کر دیں۔ جب کوفہ میں یہ نسخہ کلام اللہ شریف پہنچا تو اصحاب رسول ﷺ نے اس کو بہت پسند فرمایا۔ اور امیر المومنین کی دور اندیشی کو خوب خوب سراہا۔ اشاعت قرآن سے فارغ ہو کر امیر المومنین نے انتظامی امور میں چند تبدیلیاں کیں اور ہرم بن حیان کو یشکدی حرث بن رشید کو بلاد فارس کے اضلاع ، اصنف بن قیس کو خراسان اور جیب بن قرہ کو مرہ میں۔ جب کہ خالد بن عبد اللہ کو بلخ اور قیس بن ہبیرہ کو طوس میں حاکم مقرر کر دیا۔

خراسان کے کئی علاقوں میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ عبد اللہ بن عامر نے فوری طور پر فوج کشی کی اور تمام علاقوں کے باغیوں کو نیست و نابود کر دیا۔ اس کے بعد نیشاپور پر حملہ کر کے وہاں کے باغیوں کی بھی سرکوبی کی۔ وہاں سے فراغت پا کر ایک لشکر سرخس کی طرف روانہ کیا۔ اور خود ہرات کی طرف رخ کیا۔ ہرات کو بھی فتح کر لیا اور بلخ وطبرستان کے باغیوں کو ٹھکانے لگایا۔ اب انہوں نے کرمان، سجستان اور فارس کے صوبوں میں باغیوں کو مطیع کر لیا۔ ان کی دلیرانہ جدو جہد سے بغاوتوں کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔

۳۳ھ میں امیر المومنین نے ولید بن عقبہ کو معزول کر کے کوفہ کی گورنری پر سعید بن العاص کو مامور کر دیا۔ انہوں نے اہل کوفہ کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ مالک بن اشتر، ثابت بن قیس ہمدانی، اسود بن یزید، علقمہ بن قیس، جذب بن زہیر، جندب بن کعب ازدی، عروہ بن الجند، عمرو بن الحمق صعصعہ زید پسران، سوجان بن الکوء عدی، کمیل بن زیاد وغیرہ سبھی سعید بن العاص کی صحبت میں بے تکلفانہ اٹھتے بیٹھتے، ایک مرتبہ باتوں باتوں میں سعید بن العاص نے کہہ دیا کہ یہ علاقہ تو قریش کا باغ ہے۔ یہ سن کر مالک بن اشتر نے ماحول کو خراب کر دیا اور کہا کہ جس علاقے کو اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کے زور سے فتح کیا اس کو تم اپنی قوم کا بستان قرار دیتے ہو۔ اس کے ساتھیوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اور خوب ہنگامہ برپا کر ڈالا۔ اس ہنگامہ میں عبد الرحمٰن اسدی نے لوگوں کو شور وغل سے منع کیا تو ان لوگوں نے انہیں بہت زدوکوب کیا۔ یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ اس کی وجہ سے سعید بن العاص نے اپنے ہاں رات کی محافل کو بند کر دیا۔ اور ان تمام حالات کی خبر امیر المومنین کو دی۔ وہاں سے حکم آیا کہ ان تمام لوگوں کو شام کی طرف امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیں۔ یہاں تک کہ یہ لوگ راہ راست پر آجائیں۔

حضرت امیر معاویہؓ نے ان لوگوں سے بہت نرم سلوک کیا مگر ان لوگوں نے ان کی ہمدردانہ باتوں کا نہایت غیر معقول جواب دیا۔ اور جارحانہ رویہ اختیار کیا۔ مجبور ہو کر امیر معاویہؓ نے امیر المومنین کو ان کی سرکشی کا حال لکھا۔ اور لکھا کہ یہ لوگ سرکشی سے باز آنے والے نہیں اب امیر المومنین نے لکھا کہ ان لوگوں کو حمص کی طرف بھیج دو۔ حمص میں عبد الرحمٰنؓ بن خالد بن ولیدؓ حاکم تھے حضرت امیر معاویہؓ نے ان کو حمص کی

جانب روانہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے ان کے حسب حال سختی و درشتی کا برتاؤ کیا۔ یہاں تک کہ اپنی مجلس میں بھی ان کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دی۔ یوں چند ہی دنوں میں ان لوگوں کا دماغی فتور ٹھیک ہو گیا۔ اور انہوں نے اپنی سابقہ سرکشی کی حرکات پر ندامت کا اظہار کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے اس تازہ حالت کی اطلاع امیر المومنین کو پہنچائی۔ وہاں سے اجازت آئی کہ اب ان کو اگر یہ کوفہ جانا چاہیں تو بھیج دیا جائے۔

عبداللہ بن سبا

عبداللہ بن سبا دراصل ایک یہودی النسل شخص تھا مگر اس نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے طویل منصوبہ بندی سے کام لیا۔ یہ شخص صنعا کا رہنے والا تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو ہر طرف سے فتوحات ہو رہی ہیں۔ اور مال و دولت کی فراوانی ہے تو وہ بظاہر اسلام قبول کر کے مسلمانوں میں شامل ہو گیا۔ مدینہ منورہ میں یہ شخص جب آیا تو یہ دور عثمانی تھا۔ خاموشی کے ساتھ اس نے مسلمانوں کی داخلی اور نزاعی کمزوریوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اور اطمینان کے ساتھ اپنا لائحہ عمل مرتب کیا۔ مگر بظاہر اس نے خود کو ایک پارسا مسلم ہی دکھایا۔

انہی دنوں ایک شخص حکیم بن جبلہ نامی بصرہ کا رہائشی تھا اس نے یہ کام پکڑا کہ اسلامی لشکر میں شریک ہو کر موقع دیکھ بھال کر ذمیوں کو لوٹ لیا کرتا تھا۔ اس کام کی تکمیل کے لئے اس نے باقاعدہ ایک گروہ بھی بنا لیا تھا۔ کبھی کبھی ڈاکہ زنی کی وارداتیں بھی کر لیا کرتا تھا۔ جب اسی قبیل کی خبریں امیر المومنین کے پاس پہنچیں تو انہوں نے بصرہ کے گورنر کو حکم جاری کیا کہ اس شخص کو بصرہ میں نظر بند کر دو۔ شہر سے

باہر مت نکلنے دو۔ حکیم بن جبلہ کے متعلق ابن سبا نے جب یہ سنا تو فوری طور پہ مدینہ سے بصرہ کو چلا۔ بھاگم بھاگ بصرہ پہنچا اور حکیم بن جبلہ کے مکان پر پہنچ کر دم لیا اب اس نے حکیم بن جبلہ اور اس کے گروہ کے لوگوں سے راہ و رسم پیدا کرنا شروع کی۔

وہاں اس نے خود کو بہت بڑا خیر خواہ المسلمین اور محب اہل بیت ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ اور ایک نیا نظریہ بھی سادہ لوح مسلمانوں کو بتایا کہ جب ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام واپس اس دنیا میں ضرور آئیں گے تو پھر ہم یہ کیوں نہیں مانتے کہ رسول اللہ ﷺ بھی دنیا میں کیوں نہیں آئیں گے۔ اس سلسلہ میں آیات قرآنی کی غلط تشریح بھی لوگوں کو بتا کر اپنا ہمنوا بنانا شروع کر دیا۔ عام سادہ لوح مسلمان اس کے عقیدہ کو تسلیم کرنے لگے۔ اب اس کے ساتھ ساتھ اس نے انہی لوگوں کے دلوں میں یہ بات بھی بٹھا دی کہ جب ہر نبی کا ایک خلیفہ اور وصی ہوا کرتا ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے وصی حضرت علی ہیں۔ اور جس طرح رسول اللہ خاتم النبین ہیں اسی طرح حضرت علیؓ بھی خاتم الاوصیاء ہیں۔ جب اس نے دیکھا کہ لوگ اس کی احمقانہ باتوں پر کان دھرنے لگے ہیں تو اس نے اعلانیہ کہنا شروع کر دیا کہ لوگوں نے حضرت علیؓ کی بجائے دوسرے لوگوں کو خلیفہ بنا کر حضرت علیؓ کی حق تلفی کی ہے۔ اب تمام لوگوں کو چاہیے کہ وہ حضرت علیؓ کی مدد کریں۔

اس کا طریقہ اس نے یہ بتایا کہ موجودہ خلیفہ کو معزول یا قتل کر کے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ یہ تمام باتیں اس نے مدینہ منورہ میں سوچ لیں تھی مگر عملی جامہ اس نے بصرہ پہنچ کر پہنایا۔ اس نے نہایت ذہانت کے ساتھ بہت سارے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ جب گورنر بصرہ عبداللہ بن عامر کو ان حالات کی خبر پہنچی تو انہوں نے ابن

سبا کو بلوایا اور پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ ابن سبا نے بتایا کہ میں نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا ہے۔ اور اسلام سے مجھے بہت دلچسپی ہے۔ اور میں آپ کی رعایا بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ عبداللہ بن عامر نے کہا کہ میں نے تمہاری باتوں اور حالات کی تحقیق کی ہے۔ مجھے تو یہ کوئی فتنہ کا آغاز معلوم ہوتا ہے اور تم مسلمانوں کو گمراہ کر کے یہودی ہونے کی حیثیت سے جمعیت اسلامی میں نفاق اور انتشار پھیلانے کا سوچ رہے ہو۔ عبداللہ بن عامر کی زبانی کھری باتیں سن کر ابن بصرہ میں ٹھہرنا موقوف کیا۔ اور اصل بات یہ ہے کہ بصرہ میں جو وہ چاہتا تھا کر چکا تھا۔ اپنے خاص لوگوں کو ہدایات دے کر وہ اسلامی فوجی مرکز کوفہ میں چلا آیا۔

یہاں سے پہلے ہی جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک جماعت گورنر اور حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف موجود تھی۔ اس طرح اس کو اس شہر میں اپنے تمام تر منصوبوں کو کامیابی ملتی دکھائی دی۔ یہاں آ کر اس نے خود کو بہت بڑا زاہد بتایا۔ لوگ اس کے زہد و تقوی سے خاصے متاثر ہونا شروع ہو گئے۔ اور اس کی بے حد تکریم و تعظیم ہونا شروع ہو گئی۔ یہ دیکھ کر اس نے اپنے خیالات کو ان کے ذہنوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ کوفہ کے گورنر سعید بن العاص نے اسے بلوایا اور تنبیہ کی۔ اس کی سرزنش تو ایک الگ بات تھی یہاں بھی اس نے بہت سارے لوگوں کو اپنے خیالات پہنچا دیئے تھے۔ اور اب سے نئی سرزمین کی تلاش تھی۔ کوفہ میں حسب سابق اپنی تیار کردہ جماعت چھوڑ کر اس نے ملک شام کی راہ لی۔ یہاں اس کو مالک اشتر جیسے لوگوں کی حمایت حاصل تھی۔ انہی کے ذمہ اس نے اپنا کام لگا دیا تھا۔

کوفہ سے شام پہنچا تو اس نے دیکھا کہ یہاں اس کے خیالات کی پذیرائی

ممکن نہیں ہے کیونکہ حضرت امیر معاویہ کا کنٹرول بہت مضبوط تھا۔

شام سے چلا تو ابن سبا اب مصر پہنچ گیا۔ مگر اب اس نے بہت زیادہ احتیاط سے کام لینے کا سوچ رکھا تھا۔ یہاں اس نے اپنے لوگوں سے خفیہ بات چیت رکھنے کا کہا اور اپنے خیالات کو جب لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا تا تو یہ بھی کہہ دیتا کہ خبردار اس کو ظاہر مت کرنا ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ یہاں بھی اس نے لوگوں کو اہل بیت اور حضرت علی کی محبت میں پھانسنا شروع کر دیا۔ اس وقت وہاں پر عبداللہ بن سعدؓ گورنر تھے عام لوگوں کو ویسے بھی حکمرانوں سے کچھ شکایات تھی۔ دوسری طرف عبداللہ سعدؓ کو سرحدی معاملات سے ہی فرصت نہیں تھی کہ داخلی خلفشار پر غور کرتے۔ جس کا فائدہ اٹھا کر ابن سبا نے بصرہ اور کوفہ میں اپنے شاگردوں سے کھل کر خط و کتابت شروع کر دی۔

چنانچہ مصر، کوفہ اور بصرہ سے اس کے شاگردوں نے خلیفہ کو گورنروں کے خلاف خطوط ارسال کرنا شروع کر دیئے کہ یہاں تو عاملوں نے ظلم کی انتہا کر رکھی۔ اور آپ ان کو معزول کیوں نہیں کرتے۔ ان حالات کی صحیح خبر گیری کی خاطر امیر المومنین نے مصر کی جانب عمار بن یاسرؓ کوفہ کی جانب محمد بن مسلمہ روانہ کر دیا کہ اصل حالات دیکھ کر آئیں۔ جب عمار بن یاسرؓ مصر پہنچے تو ابن سبا کے لوگوں نے انہیں اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اور انہیں اپنے پاس ہی رکھنے پر مجبور کر لیا۔ دوسری جانب محمد بن مسلمہؓ نے بھی اسی قسم کی رپورٹ مدینہ منورہ بھیجی کہ لوگ واقعی گورنروں کے خلاف ہیں۔

انہی ایام میں اشعث بن قیسؓ سعید بن قیسؓ، صائب بن اقراء، مالک بن حبیبؓ، حکیم بن سلامت، جریر بن عبداللہؓ، سلمان بن ربیعہؓ جیسے صحابہ کرام جو صاحب اثر اور عزم و ہمت کے وارث اور خلافت اسلامیہ کے مضبوط حامی تھے۔ کوفہ سے

دوسرے مقامات کی طرف روانہ ہو چکے تھے، سعید بن العاص نے ہر طرف شورش اور لوگوں کی زبانوں پر اعلانیہ شکایات کو دیکھ کر قعقاع بن عمرو کو اپنا قائم مقام بنایا اور کوفہ سے مدینہ جانے کا ارادہ کیا تا کہ خلیفہ کو خود تمام حالات سے باخبر کریں۔ اور اندیشوں وخطرات کی پوری کیفیت سے آگاہ کریں۔ جب سعید بن العاص نے کوفہ سے کوچ کیا تو اہل کوفہ نے مالک اشتر کو حمص سے کوفہ بلوالیا۔ اب جب کہ سعید بن العاص کوفہ میں نہیں تھے۔ جو شورش پسند عناصر کو کھل کھیلنے کا موقعہ مل گیا۔ اور لوگ اعلانیہ امیر المومنین کے عاملوں اور خود عثمان غنیؓ کے خلاف باتیں کرنے لگے۔ حد تو یہ ہے کہ یزید بن قیس نے اہل کوفہ کا ایک لشکر بنایا اور مدینہ کا قصد کیا تا کہ امیر المومنین کو خلافت سے ہٹادے۔ اس کی خبر قعقاع بن عمرو کو ہوئی تو انہوں نے یزید بن قیس کو گرفتار کر کے اس کی جمعیت کو منتشر کر ڈالا اور تھوڑے عرصہ کے بعد اس کی منت سماجت کے بعد چھوڑ دیا۔

اسی اثناء میں مالک اشتر اپنی جمعیت کے ہمراہ کوفہ آ گیا۔ اس کا کوفہ پہنچنا شورش کے لئے بہت ہی امید افزا ثابت ہوا۔ اب مالک اشتر نے لوگوں کو یزید بن قیس کی حمایت پر خوب آمادہ کیا یوں ایک بڑا لشکر بن گیا جس کو قعقاع روکنے کی ہمت نہ کر سکے۔ یہ لشکر کوفہ سے روانہ ہو کر قادسیہ کے قریب جرعہ کے مقام پر ٹھہر گیا۔ جب سعید بن العاص مدینہ سے روانہ ہو کر جرعہ کے مقام پہنچے تو ایک بڑے لشکر کو دیکھا کہ جس کا امیر یزید بن قیس تھا۔ سعید بن العاص کو یزید بن قیس نے بہت درشتی اور سختی سے کہا کہ تم یہاں سے فوراً واپس چلے جاؤ ہم تم کو کسی طرح بھی کوفہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ یہ سن کر سعید بن العاص کے غلام نے کہا یہ ناممکن ہے۔ جس پر مالک اشتر نے غلام کو اونٹ سے اتار کر قتل کر دیا۔ اور سعید بن العاص سے کہا کہ جاؤ حضرت

عثمان غنیؓ سے کہو کہ ابوموسیٰ اشعری کو بھیج دیں۔

سعیدؓ مجبوراً مدینہ منورہ واپس آئے اور تمام حالات سے باخبر کیا آپؓ نے اسی وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری کو روانہ کر دیا۔ مگر حالات دن بدن خراب ہی ہوتے چلے گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اب مدینۃ الرسول میں بھی مفسدین نے باتیں کرنا شروع کر دیں۔

فتنہ عظیم۔

جب سب طرف شورش برپا ہو گئی تو اب شورش پسند عناصر نے قافلوں کی صورت میں مدینہ منورہ پہنچنا شروع کر دیا۔ پہلا قافلہ جو مدینہ منورہ پہنچا اس میں عبد الرحمٰن بن عدلیس، کنانیہ بن بشر یشی۔ سوان بن حمران بھی شامل تھے۔ جب کہ امیر قافلہ غافقی بن حرب عکی تھا۔ تجویز یہ کی گئی کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ ہم تو حج کے لئے آئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے قافلوں کی صورت میں پہنچیں۔ چنانچہ ایک قافلہ تو مصر سے پہنچا جب کہ دوسرا قافلہ مالک اشتر کی سرکردگی میں کوفہ سے روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں زید بن صفوان عبدی۔ زیاد بن زہیر سعدی کی سرداری میں روانہ ہوا یہ بصرہ سے روانہ ہوئے۔ اس قافلہ میں حکیم بن جبلہ عبدی۔ بشیر بن شریح قیسی وغیرہ شامل تھے۔

تمام قافلے حسب پروگرام شوال ۳۵ھ میں اپنے اپنے شہروں سے روانہ ہوئے اور حج کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ بات تو روانگی سے قبل ہی طے کر لی گئی تھی۔ مدینہ سے کچھ ہی دور یہ قافلے اکٹھے ہو گئے اور یوں قیام کیا کہ جو لوگ حضرت زبیر بن العوامؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ وہ لوگ مقام اعواص میں ٹھہر گئے۔ ان میں غالب اکثریت

کوفہ کے لوگوں کی تھی۔ جو لوگ حضرت علی المرتضیٰ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے وہ لوگ مقام ذوالمروہ میں مقیم ہوئے ان میں اکثریت اہل مصر کی تھی اسی طرح جو لوگ حضرت طلحہؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے وہ لوگ ذوخشت کے مقام پر خیمہ زن ہوئے ان میں اکثریت اہل بصرہ کے لوگوں کی تھی۔

اب زیاد بن النصر اور عبداللہ بن الارحم نے ان تمام بلوائیوں سے کہا کہ تم لوگ یہاں ٹھہرے رہو جلدی مت کرنا۔ ہم پہلے چند لوگ مدینہ جاتے ہیں اور مدینہ کے حالات کا جائزہ لیکر آتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مدینہ والوں نے بھی جنگی تیاری کر رکھی ہے اگر یہ خبر درست نکلی تو پھر ہم سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ یہ سن کر بلوائیوں نے کہا کہ جو تم لوگ مناسب خیال کرو وہی کرو۔ یہ دونوں اب مدینہ پہنچے اور انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ حضرت طلحہؓ اور امہات المومنین سے فردا فرداد ملاقاتیں کی۔ اور ان کی حمایت حاصل کرنا چاہی۔ تمام حضرات نے انہیں خوب ملامت کی اور واپس لوٹ جانے کا حکم دیا۔ ان کی حمایت سے مایوس ہو کر ان لوگوں نے ایک چال چلی کہ جب حضرت علیؓ نے ان پر زور دیا کہ وہ لوگ واپس چلے جائیں تو انہوں نے یہ شرط رکھی کہ مصر میں عبداللہ بن سعدؓ کو تبدیل کر کے دوسرا عامل مقرر کیا جائے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت عثمان غنیؓ سے کہا کہ انکی بات مان کر اگر امن ہو سکتا ہے تو مان لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ چنانچہ محمد بن ابو بکرؓ کو مصر کا گورنر بنانے کا فرمان جاری کر دیا گیا۔ اب لوگوں کو چلے جانے کا حکم دیا گیا۔ مگر تین، چار دن کے بعد باغیوں کی جماعت نے امیر المومنین کے گھر کا محاصرہ میں لیکر بتایا کہ امیر المومنین نے ایک قاصد کو مصر روانہ کیا تھا جس کو ہم نے پکڑا تو معلوم ہوا کہ نامہ

ہمارے قتل کا فرمان دے کر مصر روانہ کیا گیا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے جب یہ سنا تو بے ساختہ فرمایا واللہ یہ تو تم لوگوں کی کھلی سازش ہے۔ انہوں نے اب مدینہ منورہ کی گلیوں میں نعرہ بازی شروع کر دی۔ تین دن تک تو حالت محاصرہ میں امیر المومنین نماز پڑھانے مسجد آتے رہے۔ مگر تین دن کے بعد ان کا گھر سے نکلنا بند کر دیا گیا۔ اور سارا سامان طعام و پانی بھی بند کر دیا گیا۔ یہ محاصرہ دس دن مزید جاری رہا۔

ان حالات میں حضرت علیؓ نے امیر المومنین سے کئی بار کہا کہ ان بلوائیوں کو قتل کر دیا جائے مگر حضرت عثمانؓ نہیں مانے۔ اور کہا کہ میں مدینۃ الرسول میں خون نہیں بہانا چاہتا اس لئے کسی نے بھی جنگ کی کوشش نہیں کی۔ ورنہ محض تین ہزار باغیوں کو ختم کرنا مشکل کام نہیں تھا جب کہ حضرت امام حسن، امام حسین اور عبداللہ زبیرؓ جیسے لوگ اپنے بزرگوں سمیت موجود تھے۔ مگر خلیفہ کے حکم نے ان کو مجبور کر رکھا تھا۔

یوں یہ خلیفہ وقت حالت بے کسی میں بعمر 82 سال شہید کر دیئے گئے اور رات کے وقت بلوائیوں سے چھپ کر تدفین کی گئی۔ اور جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا بغیر غسل اور کفن کے۔

ایک سرسری جائزہ

خلافت عثمانی کے حالات پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے گویا عہد نبوی عہد صدیقی و فاروقی کے زمانے کو طے کر کے ہم کسی نئے زمانے میں داخل ہوئے ہیں اور بات یہ بھی درست ہے کہ مسلسل فتوحات سے دولت کی فراوانی ہو چکی تھی۔ لوگوں کی وضع قطع میں غیر معمولی تغیر پیدا ہو چکا تھا ہمیں عہد خلافت فاروقی میں یہ نظر نہیں آتا کہ

اہل اسلام کی نظروں میں مال وزر کی کوئی وقعت نہیں یہاں تک کہ خلیفہ وقت بھی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بہت کم خزانہ سے لیتے تھے۔ اور یہی حال عام مسلمانوں کا بھی تھا۔ جب کہ ان کی بڑی خواہش اللہ کے نام پر قربان ہونا تھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کی رحلت تک اور کچھ عرصہ خلافت عثمانی میں بھی فتوحات کا تسلسل جاری رہا۔ مال و دولت کی کمی نہ ہونے سے لوگوں میں تن آسانیاں بڑھ گئیں۔ جہاد کا جذبہ سرد پڑنے لگا اور مال کو جمع کرنے کا شوق سرابھارنے لگا۔

اصل میں عہد صدیقی اور فاروقی میں قریشی اور حجازی عرب میں اکثر نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ دیکھا ہوا تھا اور ان کی بہت بڑی اکثریت موجود تھی۔ وہ سب اسلام کو اپنی چیز سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو اسلام کا وارث جانتے تھے۔ ان کے نزدیک اسلام ہی افضل تر تھا انہوں نے اپنے ذہنوں سے قبائلی تعصّبات کو کھرچ ڈالا تھا۔ اسلام کے رشتے سے بڑھ کر ان کے نزدیک کوئی بھی رشتہ نہیں تھا اور نہ کوئی محبوب شے تھی۔ فتوحات اور ممالک اسلامیہ کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی افواج اور عام جمعیت میں ایسے لوگوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا جو نومسلم تھے۔ ان نومسلموں کے دلوں میں اسلامی محبت بھائی چارہ نہیں پیدا ہوا تھا۔ اور نہ ہی ان میں سے قبائلی امتیاز اور قومی وخاندانی خصوصیات نے اسلام کا اثر قبول کیا تھا۔

عہد فاروقی میں تمام مہاجرین وانصار کو بہت بلند رتبہ حاصل تھا۔ مگر حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے فتح مند اور صف شکن سپاہیوں کے خصوصی سپاہیانہ اور جوانمردانہ جذبات کی حفاظت اور نگرانی بہتر طریقے سے کی۔ یہاں تک کہ شام کے خوش سواد شہروں اور سامان عیش رکھنے والی بستیوں میں یا ان کے قریب بھی اسلامی فوجوں کا

قیام سے منع کر رکھا تھا۔ اور جلیل القدر صحابہ کرام کو مدینہ منورہ میں اپنے ارد گرد ہی جمع کیے رکھا۔ تا کہ عام مسلمانوں کی تربیت کا سامان ہوتا رہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں رفتہ رفتہ یہ عمل مفقود ہوتا گیا مہاجرین انصار کی توقیر میں کمی آتی گئی اور انہوں نے مدینہ سے نقل مکانی شروع کر کے دوسرے صوبوں میں سکونت اختیار کرنا شروع کر دی۔ مدینہ منورہ ان جلیل القدر اصحاب سے، خالی ہونا شروع ہو گیا۔ یوں مدینہ منورہ قوت کا مرکز نہ رہا۔ رفتہ رفتہ پرانی قبائلی عصبیت اور خاندانی امتیازات نے سر ابھارا۔ اور قبل از اسلام کی یاد تازہ ہونے لگی۔

یہ بالکل درست ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ بہت نرم مزاج تھے۔ مگر حکومت کے انتظام و انصرام کے لئے محض نرم مزاجی ہی تو کافی نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ طاقت و سختی کے اظہار کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح کہ ہم پڑھ چکے ہیں کہ اوائل زمانہ عہد صدیقی میں مانعین زکوۃ اور جیش اسامہؓ کی روانگی میں سیدنا صدیق اکبرؓ نے نرم مزاجی سے اور مصلحت اندیشی سے کام نہ لیکر فتنہ ارتداد اور دیگر فتنوں کو یکسر ختم کیا۔ بڑی عظیم فتوحات کی بنیاد رکھی۔ جب کہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں ایک طرف تو مسلمانوں کے دلوں میں مال و دولت اور عیش و راحت جسمانی کی قدر پیدا ہونے لگی اور دوسری طرف خلیفہ وقت کا رعب و اقتدار لوگوں کے دلوں میں کم ہونے لگا۔

ان حالات میں شہرت پسند اور جاہ طلب لوگوں کو اپنی اولوا العزمیوں کا اظہار اور اپنے ارادوں کے پورا کرنے کی کوششوں کا موقع نظر آنے لگا اہل قریش و حجاز میں جو اس قسم کے اولوالعزم اشخاص تھے۔ ان کو بڑی آسانی کے ساتھ نو مسلم قبائل کی حمایت اور فتح مند لشکریوں کی اعانت و محبت حاصل ہونے لگی۔ قبل از اسلام قبیلہ قریش کو

دو حصوں میں منقسم خیال کیا جاتا تھا۔ ایک بنو امیہ اور دوسرا بنو ہاشم جب کہ ان کے علاوہ دیگر قبائل بھی موجود تھے۔ مگر چونکہ یہ دونوں خاندان ایک دوسرے کے رقیب تھے۔ اس وجہ سے باقی خاندان دونوں کے درمیاں بٹے ہوئے تھے۔ یعنی کسی نہ کسی کے طرف دار تھے اور کسی نہ کسی کے مخالف ایک لحاظ سے بنو امیہ کا اثر ورسوخ اور طاقت قبل از ظہور اسلام بنو ہاشم سے بڑھ گیا تھا۔ مگر نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو سب زیادہ مخالفت بنو امیہ ہی نے کی۔ بنو امیہ ہی کا ایک فرد ابو سفیان افواج مشرکین کا سردار تھا جن افواج نے احد و احزاب کی جنگوں میں ہزیمت اٹھائی۔ مگر ایک وقت ایسا آیا کہ پورا بنو امیہ اور خود ابو سفیان داخل اسلام ہو گیا۔ اور یوں حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ بن گئے۔ اس طرح ان امتیازات کا خاتمہ ہو گیا جو بنو ہاشم اور بنو امیہ میں عرصہ دراز سے چلے آ رہے تھے۔ اسلام نے بنو امیہ اور بنو ہاشم کو یکجان کر دیا۔ نسلی اور قبائلی امتیازات کا نام ونشان تک نہ رہا۔

یہی کیفیت ہمیں عہد رسالت، صدیقی اور فاروقی میں بھی نظر آتی ہے۔ اور سارے کے سارے قبائل ایک ہی رنگ میں رنگین نظر آتے ہیں۔ مگر عہد عثمانی میں بنو امیہ کو عہد جہالت کی رقابتیں پھر یاد آ گئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ خود بنو امیہ تھے اور ساتھ ہی چونکہ ان کو اپنے کنبہ اور رشتہ داروں پر احسان کرنے کا خاص خیال رہتا تھا۔ لہذا بنو امیہ کو زیادہ منافع حاصل ہونا شروع ہوا۔ دوسری طرف فوجی مہمات کے علاوہ مالی طور پر بھی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دوڑ شروع ہوئی۔ اس طرح خلیفہ وقت کی گرفت کمزور پڑنا شروع ہو گئی۔ ان حالات کا فائدہ مروان بن الحکم نے بخوبی حاصل کیا۔ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بہت قریب تھا اسی کی کاوشوں سے تمام صوبوں میں بنو امیہ ہی کے امیر نظر آنے لگے۔ جس کا نتیجہ کچھ اچھا بر آمد نہ ہوا۔

کوئی بھی شخص اگر ایسا سوچے کہ حضرت عثمان غنیؓ خود ایسی کاوشوں اور محرکات کے خواہش مند تھے تو یقینی طور پر سراسر بہتان اور قرین قیاس ہے۔ کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ تھے۔ اور ان کے اندر ماسوائے خیر کے کچھ اور نہ تھا۔ کسی سازش یا منافقت کا نام ونشان تک نہ تھا۔ ایسا سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ مگر ایک بات ضرور ہے کہ آپؓ کی حد درجہ نرم مزاجی، درگزر اور اعزا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی دونوں صفتوں نے مل کر بنو امیہ کو موقع فراہم کیا کہ وہ اپنے قومی وخاندانی اقدار کو قائم کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ یوں ان رقابتوں کو زندگی ملی جنہیں اسلام نے مردہ کر ڈالا تھا، انہی رقابتوں کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے مال وزر کی فروانی عیش و عشرت اور تن آسانی نے بہت سہارا دیا۔

اس قسم کی باتوں کا خیال سابقہ دور میں ذہن میں بھی نہیں لایا جا سکتا تھا کیونکہ سابقہ حکومتوں میں خصوصیت کے ساتھ اپنے قرابت داروں کو اہمیت نہیں دی جاتی تھی بلکہ ان کو اولیت کی جگہ آخر میں یاد کیا جاتا تھا۔ تاکہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ اسی طرح اوائل عہد عثمانی میں ایرانی صوبوں میں بغاوتوں نے جنم لیا۔ مگر اسلامی افواج نے بھرپور طریقہ سے ان کی گوشمالی کی۔ اور تمام علاقوں میں بغاوتوں کو فرو کر کے دوبارہ اسلامی حکومتوں کو بحال کر دیا۔ ان بغاوتوں کو دور کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ تمام مقبوضات پر دوبارہ دھیان دیا جانے لگا۔ نیز جنوبی ایران کے مزید علاقے بھی فتح ہوئے اور یوں سیستان، کرمان، ہرات، کابل، بلخ اور جیحون پار کے علاقے فتح ہوئے۔

پھر جب رومیوں نے مصر اور اسکندریہ پر حملے کیے تو انہیں اسلامی افواج

نے شکست دی اور جزیرہ سائپرس اور روڈس پر فتح حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ اسلامی افواج نے برقہ اور طرابلس یعنی افریقہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ اسی طرح ایشیائے کوچک کی رومی ریاستوں نے بھی بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر اسلامی افواج سے ہمیشہ شکستیں ہی کھائیں۔ غرض یہ کہ حضرت عثمان غنی کے عہد میں بھی کافی زیادہ اور اہم فتوحات حاصل ہوئیں۔ اور حدود اسلامی حکومت کافی وسیع وعریض ہوگئیں۔

ایران، شام اور مصر میں حضرت عثمان غنیؓ کے حکم پر گورنروں نے سڑکوں کی تعمیر کو عملی جامہ پہنچایا۔ مدرسے قائم کئے۔ تجارت وحرفت اور زراعت کو بھی فروغ دینے کی کوشش کیں یعنی اسلامی حکومت نے انہی ظاہری ترقی کے ساتھ ساتھ معنوی ترقی کو بھی یقینی بنایا مگر ان کا دورانیہ عہد خلافت عثمانی کے ابتدائی چھ سالوں تک محیط ہے۔ آخری چھ سالوں میں تو اندرونی اور داخلی فسادات کی پیدائش اور افزائش ہی ہوئی۔ ان حالات سے قبل تو مسلمانوں کا مطمع نظر محض قبلہ، توجہ اشاعت اسلام اور شرک شکنی کے سوائے کچھ بھی نہ تھا۔ مگر اب توجہ آپس کی مسابقت اور برادر افگنی میں بھی استعمال ہونے لگی۔ بنوامیہ نے مدینہ منورہ میں بھی اپنی تعداد کو بڑھایا اور تمام صوبہ جات میں بھی۔

بنوامیہ کی اس روش نے عصبت کو ہوا دی۔ اور اکثر لوگ قومی جانبداری کی آگ میں کود پڑے۔ ان حالات کا فائدہ ایک چالاک اور زیرک یہودی ابن سبا نے کیا خوب اٹھایا۔ کہ اس نے عام لوگوں کو حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف ایک منظم سازش کے تحت بھڑکایا۔ اس کی منظم کوششوں سے عرب قبائل حضرت عثمان غنیؓ کے از حد خلاف ہوگئے اور لوگوں میں ایک غلط تاثر پھیلایا کہ حضرت علیؓ کی اعانت ہمیں حاصل ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ نے بار ہا اس کی تکذیب فرمائی۔ مگر عام لوگ اس کے جال میں پھنس چکے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

احوالِ مُقدسہ

عاشقِ یزدانی شیربانی

حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قاضی ظہور احمد اختر

کرمانوالہ بک شاپ

دوکان نمبر ۲
دربار مارکیٹ
لاہور
Voice: 042-7249515

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ تاریخ اسلام کے روشن باب کی حیثیت رکھتے ہیں آپ کا درجہ افضل ترین اور فضائل بے شمار ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ ہو یا بعد ازاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی انفرادیت معاملہ فہمی، اور دور اندیشی اور قوت فیصلہ کی وجہ سے علیحدہ شناخت رکھتے ہیں۔ آپ کے فیصلے آج بھی لوگ بطور سند اختیار کرتے ہیں۔ جن سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

نام ونسب

نام آپ کا علیؓ بن ابو طالب تھا۔ جب کہ کنیت آپ کی ابو الحسن اور ابو تراب تھی۔ یہ دونوں کنیتیں آپ کو سرکار دو عالم ﷺ نے مرحمت فرمائی تھیں۔ آپ کے لقب بے شمار ہیں۔ اسد اللہ یعنی اللہ کا شیر۔ فاتح خیبر۔ شیر یزداں، حیدر کرار، امیر المومنین سرور کونین ﷺ کے ساتھ جو نسبی قرب اور تعلق حضرت علیؓ کو حاصل ہے وہ کسی اور صحابی کو حاصل نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دادا اور حضرت علیؓ کے دادا حضرت عبد المطلب ہیں۔ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم رسول اللہ ﷺ کے سگے چچا زاد بھائی ہیں سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اور سرکار دو عالم ﷺ کا ایک ہی ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم پہلی ہاشمی خاتون تھیں جنہوں نے مشرف بہ اسلام ہو کر ہجرت فرمائی۔ آپ نہ صرف یہ کہ حضور پرنور کے چچا زاد بھائی تھے بلکہ داماد رسول کریم ﷺ بھی تھے جگر گوشہ نبی مکرم سیدہ فاطمۃ الزہراؓ آپ کے عقد

میں تھیں اور آپؓ امام حسن اور امام حسین کے والد ماجد تھے۔ اس قدر خصوصیات کسی ایک انسان میں کم ہی یکجا دیکھی جا سکتیں ہیں۔

حلیہ مبارک

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم درمیانی قد کے مالک تھے۔ آپ کا رنگ سرخ اور سفید، نہایت مضبوط قد و قامت کے مالک اور کسرتی جسم رکھتے تھے۔ شگفتہ رو، کشادہ پیشانی حسین وجمیل اور فولادی بازوں والے تھے۔ بال آپ کی داڑھی اور سر کے بہت گھنے تھے۔

قبول اسلام

سیدنا علی المرتضیٰؓ کا قبول اسلام بھی ایک تاریخی اہمیت کا حامل ہے آپ نے محض دس برس کی عمر میں اسلام کی حقانیت کو قبول فرمایا۔ یوں بچوں میں آپ نے سب سے پہلے اسلام قبول فرمایا۔

ابن اسحاق نے بیان کیا کہ حضرت علیؓ ایک روز گھر آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت خدیجہ الکبریٰؓ نماز ادا کر رہے ہیں جب آپ دونوں نماز سے فارغ ہو چکے تو حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا کہ آپ کیا کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

"یہ اللہ کا ایسا دین ہے جس کو اللہ نے اپنے لئے منتخب کیا اور اسی کی تبلیغ کے لئے اپنے رسولوں کو لوگوں میں بھیجا۔ اس لئے میں بھی تم کو ایسے اللہ کی طرف بلاتا ہوں

جو تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی عبادت کا تمہیں حکم دیتا ہوں اور یہ کہ لات وعزیٰ کو بالکل چھوڑ دو۔''

حضرت علیؓ اسلام قبول فرمایا اور رفتہ رفتہ ارکان دین کو سمجھنے لگے آپ اس بات کو ارشاد فرماتے تھے کہ۔

''اے پروردگار میں نہیں کہہ سکتا کہ اس امت میں رسول کریم ﷺ کے سوا کسی نے مجھ سے قبل تیری عبادت کی ہو۔''

حضرت علیؓ نے عام اصحاب رسولؐ سے سات سال قبل نماز کی ادائیگی شروع کردی تھی۔ یہ فضیلت بھی کسی کو حاصل نہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کریم کے والد ماجد ابو طالب مکہ کے ذی اثر بزرگ تھے۔ اور حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد سرور کونین ﷺ نے ان کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی اور اعلان نبوت کے بعد انہی کے زیر حمایت مکہ کے دارالکفر میں دعوت حق کا اعلان فرمایا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ابو طالب ہر موقع پر آپ ﷺ کے لئے سینہ سپر رہے اور رسول اللہ ﷺ کو کفار کے پنجہ ظلم وستم سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن تدبیر کی۔

مشرکین قریش نے رسول کریم ﷺ کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابو طالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی تکالیف سے دوچار کیا۔ ایک وقت تو ایسا بھی آیا کہ ان کو ایک گھاٹی میں محصور کر کے ان کا معاشی اور سماجی بائیکاٹ کر دیا غرض ہر طرح پریشان کیا مگر اہل اسلام کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی سرکار مدینہ ﷺ کی دلی آرزو تھی کہ ابو طالب کا دل نور ایمان سے منور ہو جائے۔ کیوں کہ دنیا دیکھ رہی تھی

کہ ابو طالب اعلانیہ رسول اللہ ﷺ کی حمایت کر رہے تھے۔ بہر حال اس کے باوجود کہ ابو طالب نے کلمہ نہیں پڑھا مگر ان کے نیک جذبات اور دلی حمایت مرتے دم تک رسول اللہ ﷺ کے لئے مخصوص رہے۔

انہیں عوامل کی وجہ سے اہل اسلام ابو طالب کی قدر اور عزت، احسان مندی اور شکر گزاری کے جذبات کے ساتھ کرتے ہیں۔ انہوں نے جس طرح اہل اسلام کی حمایت کی اور کفار کے مقابلے میں ثبات اور استقلال کے ساتھ آپ کی نصرت اور حمایت کا فریضہ انجام دیا۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے بھی سیدہ آمنہؓ کے اس معصوم لال کی بالکل ماں کی طرح ہی پرورش کی۔ انہوں نے اسلام بھی قبول کیا اور مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت بھی کی۔ جب ان کا وصال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے کفن کے لئے اپنا کرتا مبارک عطا فرمایا۔ یہ تھی محبت و عقیدت۔

سیدنا علی المرتضیٰ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے دس برس قبل پیدا ہوئے۔ ابو طالب نہایت کثر العیال شخص تھے۔ اور پھر ان کو تجارت کی غرض سے دوسرے شہروں میں بھی اکثر و بیشتر جانا پڑتا تھا۔ ایک اور وجہ بھی شامل حال تھی اور وہ یہ کہ خشک سالی نے پورا نظام درہم برہم کر ڈالا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے رسول برحق نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ہم کو ان برے حالات میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ چنانچہ باہم مشورے سے حضرت عباسؓ نے جعفر بن ابو طالب کی کفالت کا ذمہ لے لیا۔ اور سرکار دو جہاں نے حضرت علیؓ کو اپنے سایہ رحمت میں پناہ دی۔

اس وقت سے لیکر رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرمانے تک حضرت علی سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ ہی رہے۔ قبول اسلام کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے چونکہ ان کا ساتھ نبی کریم ﷺ کے ساتھ شب و روز تھا۔ اس لئے مجالس مشاورت میں تعلیم وارشاد کی محافل میں اور معبود حقیقی کی عبادت کے مواقع پر حضرت علی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی رہے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب کے قبول اسلام سے قبل مکہ میں اعلانیہ حق کا پرچار کرنے کو ناممکن خیال کیا جاتا تھا۔ اس لئے اہل اسلام کو دارلارقم میں خفیہ طور پر تبلیغ کی جاتی اور ان تمام مواقع پر حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود رہے۔

حج کے دنوں میں مکہ کی سرزمین عرب قبائل کا مرکز بن جایا کرتی تھی۔ اس لئے سرکار دو عالم ﷺ سیدنا صدیق اکبر کے ہمراہ عام مجمعوں میں تبلیغ کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس وقت سیدنا علی المرتضیٰ کم سنی کے باعث کوئی اہم خدمت سرانجام دینے کے قابل نہیں تھے۔ مگر کبھی کبھی ساتھ بھی جایا کرتے تھے۔

ولادت باسعادت

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کریم کی ولادت باسعادت کے متعلق یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ آپ مکہ معظمہ میں شیرویہ پسر خسرو پرویز پسر ہرمز کے عہد میں 23 یا 15 رجب المرجب 920 اسکندری اور سنہ میں عام الفیل کے ۳۰ سال بعد پیدا ہوئے۔ عام الفیل کا سنہ قبل از اسلام عرب قبائل میں رائج تھا کیونکہ یہ ایک اہم ترین واقعہ تھا جس کا ذکر کلام اللہ شریف میں بھی آیا ہے۔

سیدنا علی المرتضٰی کی ولادت باسعادت کے متعلق ایک روایت زیادہ مشہور ہے کہ وہ کچھ اس طرح ہے کہ ایام جاہلیت میں اہل عرب ۱۵ رجب کو کعبہ کا دروازہ کھولتے اور اس کی زیارت کیا کرتے تھے۔ کیوں کہ یہی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا دن بھی تھا۔ اہل عرب میں اس دن کو یوم الاستفتاح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایک دن عورتوں کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تھا اور ایک دن مرد حضرات کے لئے جس روز عورتوں کی باری تھی اس دن حضرت فاطمہ بنت اسد یعنی سیدنا علی المرتضٰی کی والدہ ماجدہ نے بھی باوجود اس کے کہ حمل کے پورے دنوں سے تھیں زیارت کے لئے ارادہ فرمایا۔

وجہ یہی تھی کہ پورے سال کے بعد یہ دن آتا تھا اور یقینی طور پر اہل عرب اس دن کا بڑی بیتابی کے ساتھ انتظار کیا کرتے تھے۔ ورنہ اس قدر شدید تکلیف دہ حالت میں تو یہ بظاہر ممکن نظر نہیں آتا۔ مگر اللہ کے لئے کچھ بھی تو ناممکن نہیں ہے۔ اس دن کو تاقیامت یادگار بنانے کے لئے یہ واقعہ پیش آیا۔ حضرت فاطمہ بنت اسد بہت رنج اور مشقت برداشت کر کے اس جم غفیر میں سے راستہ بناتے ہوئے کعبۃ اللہ کے دروازے تک پہنچ گئیں۔ مگر وہاں کوئی سیڑھی نہ دیکھ کر پریشان ہوئیں۔ کیونکہ کعبۃ اللہ کا دروازہ کافی اونچائی پر تھا۔ اور صاف ظاہر ہے کہ آپ کی جسمانی حالت ایسی نہ تھی کہ آپ اس پر چڑھ جاتیں۔ خیر جیسا کہ اس دور میں رائج تھا کہ جو خواتین از خود کعبہ کے اندر جانے کی اہل نہ ہوتیں انہیں سہارا دے کر پہنچا دیا جاتا اس طرح حضرت فاطمہ بنت اسد کو بھی اندر پہنچا دیا گیا۔

ابھی آپ نے کعبہ کے اندر قدم ہی رکھا تھا کہ دردزہ شروع ہوا آپ کا خیال

تھا کہ اس قدر بھاگ دوڑ کی وجہ سے یہ درد شروع ہوا ہے خود ہی ختم ہو جائے گا آپ نے زیارت کے لئے قدم آگے بڑھایا مگر درد بڑھتا ہی رہا اور پھر اللہ کے فضل سے سیدنا علی المرتضیٰؓ پیدا ہوئے یہی وہ تاریخی حقیقت ہے کہ جس نے عظمت علیؓ کو تا قیامت امر کر دیا ہے۔ کعبۃ اللہ میں سیدنا علی المرتضیٰ سے نہ تو پہلے کبھی کوئی پیدا ہوا نہ ہی بعد میں اور نہ ہوگا۔

مندرجہ بالا روایت کے بارے میں مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی کچھ اصل نہیں ہے۔ اس لئے تحقیق کی ضرورت ہے واللہ اعلم

اس کی اطلاع حضرت ابو طالب کو دی گئی آپ دوڑے آئے اور نومود کو گود میں اٹھایا۔ اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنی حقیقی چچی کو سہارا دے کر گھر لے گئے۔ اور اپنا لعاب دہن سیدنا علیؓ کے منہ میں ڈالا اور یہ شرف بھی ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا تاریخی فضیلت کے علاوہ ایک اور فضیلت بھی سیدنا علیؓ کو حاصل ہے کہ آپ عشرہ مبشرہ کی پاک ہستیوں میں شامل ہیں۔ اور مواخات میں نبی کریم کے بھائی بھی بنے۔ سیدنا علیؓ عالم ربانی اور مشہور بہادر بے بدل زاہد اور معروف و مشہور خطیب تھے۔ آپ ان لوگوں میں سے تھے جن لوگوں نے کلام اللہ شریف جمع اور مرتب کر کے خدمت رسالت مآب میں پیش کیا۔ آپ بنی ہاشم کے پہلے خلیفہ تھے۔

حضرت علیؓ اسلام میں بھی سب سے قدیم ہیں اور آپؓ کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ آپؓ نے کبھی بچپن میں بھی بتوں کی پرستش نہیں کی تھی اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ لکھا جاتا ہے۔

ہجرت

بعثت کے تیرہ سال بعد نبی کریم ﷺ نے مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کا حکم دیا چنانچہ چند نفوس قدسیہ کے علاوہ مکہ اہل اسلام سے خالی ہو گیا اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ لاحق ہوا کہ اب مسلمان ہمارے قبضہ اقتدار سے باہر ہو گئے ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی طاقت مضبوط کر کے ہم سے انتقام لیں۔

اسی خطرہ نے اصل میں ان کو نبی کریم ﷺ کا دشمن بنا ڈالا۔ چنانچہ ایک روز انہوں نے ایک فیصلہ کیا اور وہ یہ تھا کہ چونکہ کافی تعداد میں مسلمان مکہ سے مدینہ جا چکے ہیں اور اب معدودے چند مسلمانوں کے مکہ میں کوئی نہیں تو کیوں نہ معاذ اللہ نبی کریم ﷺ کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن قدرت کاملہ کی تدبیر تو کچھ اور تھی مشیت الٰہی تو یہ تھی کہ ایک مرتبہ تمام عالم حقانیت کے نور سے پرنور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کا کافور ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ کو بذریعہ الہام مشرکین کے تمام مشوروں سے اللہ کریم نے مطلع فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے بھی ہجرت مدینہ طیبہ کا قصد فرمایا۔ اور حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا۔ تاکہ صبح اہل مکہ کو ان کی امانتیں واپس کر کے حضرت علیؓ بھی مدینہ چلے آئیں۔ سیدنا علی المرتضیٰ کی عمر اس وقت بمشکل تیئس برس تھی اس عمر میں خود کو قربان کرنے کے لئے پیش کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں جب کہ یہ بھی معلوم ہوا کہ مکان کا محاصرہ ان لوگوں نے کر رکھا ہے جو صاحب مکان کو قتل کرنا چاہتے ہیں مگر یہ خطرہ

فدویت اور جذبہ جانثاری کے آگے ہیچ تھا۔ رات بھر محاصرہ کرنیوالے جاگتے رہے مگر گھر کے اندر سیدنا علی المرتضٰی بڑے آرام وسکون کے ساتھ استراحت فرماتے رہے مشرکین مکہ رات بھر اسی خیال میں مست رہے کہ رسول اللہ ﷺ مکان کے اندر سو رہے ہیں صبح ہوئی تو مشرکین اپنے منصوبے کی تکمیل کے لئے اندر آئے مگر دنگ رہ گئے جب انہوں نے حضرت علیؓ کو بالکل بے فکری سے بستر نبوی پر سوتا پایا۔ ان کو اپنی غفلت اور لاپروائی پر سخت غصہ آیا ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے۔ اور حضرت علیؓ کو چھوڑ کر نبی کریم ﷺ کی تلاش میں چل پڑے۔ سیدنا علی المرتضٰی تین روز بعد اپنے فرائض منصبی سے عہدہ براہ ہونے کے بعد عازم مدینہ ہوئے۔

غزوات

سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے تمام عمر دلیری اور بہادری سے بسر کی۔ تاریخ اسلام میں غزوہ بدر کو ایک انتہائی اہم مقام حاصل ہے اور یہی وہ معرکہ ہے کہ جس کے فیصلے نے دنیا کے حالات کو بدل کر رکھ دیا۔ اس اہم ترین غزوہ میں نبی کریم ﷺ اپنے 313 جانثاروں کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ لشکر اسلام کے آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے۔ اور تاریخ ساز معرکہ حق وباطل کے لئے روانہ ہونے والے اسلامی لشکر کا ایک علم سیدنا علی المرتضٰیؓ کے حوالے تھا۔ سترہ رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوا۔

دستور عرب کے مطابق پہلے مبارزت طلبی ہوئی۔ سب سے پہلے اپنے عددی کثرت پر نازاں مشرکین کے لشکر سے تین بہادروں نے مدمقابل طالب کئے۔ چنانچہ

تین انصاری بہادر ان سے مقابلے کے لئے آگے بڑھے مگر انہوں نے انصاری جوانوں کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے ہمسر مد مقابل طلب کئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا حمزہؓ، سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عبداللہ کو روانہ فرمایا۔ سیدنا علیؓ اپنے مد مقابل ولید کو ایک ہی وار میں واصل جہنم کیا اور عبیداللہ کی مدد کو لپکے۔ مگر مشرکین نے یکبارگی حملہ کر دیا۔ اور اہل اسلام بھی غافل نہ تھے۔ اب عام جنگ شروع ہوئی۔ سیدنا علی المرتضیٰ نے جواب داد شجاعت دی اور مشہور زمانہ تلوار ذوالفقار حیدری خوب چمکی اور گرجی۔ مشرکین کے پاؤں اکھڑ چکے تھے اور اہل اسلام جو کہ تعداد میں کم تھے۔ فتحیاب ہو کر اللہ کریم کا شکر ادا کر رہے تھے۔

جنگ بدر میں جب مسلمان واپس ہوئے تو علاوہ مال غنیمت کے ستر قیدی بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت علیؓ کو مال غنیمت میں سے ایک زرہ ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی۔

جنگ بدر کے بعد ایک اور معرکہ پیش آیا۔ مگر ایک چھوٹی غلطی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے پریشانی میں مبتلا ضرور کر دیا۔ اس پریشان کن صورت حال میں سیدنا علی المرتضیٰ نے اپنے اوسان قابو میں رکھے اور مشرکین کے آگے ڈٹے رہے۔ مشرکین کے علمبردار ابوسعید بن ابی طلحہ نے مقابلے کے لئے جب للکارا تو سیدنا علیؓ نے بڑھ کر ایک کاری ضرب جو لگائی تو ابوسعد زمین پر گر پڑا اور بدحواسی میں برہنہ ہو گیا۔

شیر خدا نے ایک برہنہ دشمن سے لڑنا اپنی شان کے خلاف خیال کیا اور واپس چل دیئے۔ یہ تھی سیدنا علیؓ کی دلیری اور غیرت کہ ایک برہنہ شخص کو نہیں مارا ورنہ کوئی عذر مانع تھا کہ ابوسعد واصل جہنم نہ ہو جاتا۔ مسلمانوں کو جب دوبارہ غلبہ حاصل ہوا تو

حضرت علیؓ نے نبی کریم ﷺ کو تلاش کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دندان مبارک شہید ہو چکے ہیں۔ حضرت علیؓ نے ڈھال میں پانی ڈال کر سرکار دو عالم ﷺ کے منہ میں ڈالا مگر خون بہنا بند نہ ہوا۔ تو سیدہ فاطمہؓ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا۔

اس کے بعد بھی متعدد غزوات و سرایہ ہوئے جن میں بنو نضیر کی سرکوبی، غزوہ خندق، بنو قریظہ کی سرکوبی اور بنو سعد کی سرکوبی شامل ہیں۔ جن میں سیدنا علیؓ نے عالی شان جوانمردی اور شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ مگر اسی اثناء میں صلح حدیبیہ کا واقعہ بھی پیش آیا حضرت علیؓ کی علمیت اور بصیرت نے کمال کر دیا ہوا یوں کہ ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے چودہ ہزار صحابہ کبارؓ کے ساتھ زیارت کعبہ کا قصد فرمایا حدیبیہ کے مقام پر معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ کے ارادے نیک نہیں۔ چنانچہ سیدنا عثمان غنیؓ کو سفیر بنا کر مکے بھیجا گیا تا کہ اہل مکہ کو بتایا جائے کہ مسلمان محض زیارت کے ارادے سے آئے ہیں۔

اہل مکہ نے حضرت عثمان غنیؓ کو روک لیا اور مشہور کر دیا کہ سیدنا عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے شہادت عثمان غنی کا بدلا لینے کے لئے مسلمانوں سے بیعت لی مگر جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہ اطلاع غلط تھی اور عثمان غنیؓ زندہ وسلامت ہیں۔ دونوں طرف سے مذاکرات کے بعد مصالحت ہو گئی۔ حضرت علیؓ کو صلح نامہ تحریر کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا۔ سیدنا علیؓ نے حسب دستور نبی کریم ﷺ کا نام محمد رسول اللہ تحریر کیا۔ مگر مشرکین نے بڑی شدومد کے ساتھ اعتراض کیا کہ اگر ان کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیں تو باقی جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ اس لئے رسول اللہ کا لفظ تحریر میں سے کاٹ دیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ یہ لفظ اصل تحریر سے کاٹ دیں۔ مگر سیدنا علیؓ نے یہ کام کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ کی قسم میں یہ گستاخی ہرگز ہرگز نہیں کر سکتا۔ اب صلح نامہ تحریر ہوا اور سرکار مدینہ نے خود اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ ﷺ کا لفظ کاٹ کر دیا۔ یہ تھی انسیت اور جانبازی کا مظاہرہ۔ صلح نامہ تحریر کر دینے کے بعد سرکار مدینہ واپس مدینہ تشریف لے آئے اور زیارت نہ کی۔

اگلے ہی برس یعنی ۷ ھ میں مشہور معرکہ ہوا۔ جس کی بازگشت تا حال سنائی دیتی ہے اور وہ ہے معرکہ خیبر۔

خیبر کے یہودیوں نے اس زمانے میں بڑی شورش برپا کر رکھی تھی۔ جس کی سرکوبی اس وقت کا اہم ترین تقاضا بن گئی۔ اسی لئے خیبر پر اسلامی لشکر کشی کی گئی۔ حالانکہ تاریخی حوالوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خیبر میں یہودیوں نے اپنی حفاظت کے خیال سے بڑے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے۔ جن کے بارے میں عام تاثر یہی تھا کہ یہ ناقابل تسخیر ہیں۔ اور ان کا مفتوح ہونا بالکل بھی ناممکن ہوگا۔ خیبر کے مشہور و معروف قلعے کے باہر اسلامی فوج موجود تھی اور اس زمانے کے رواج کے مطابق فرداً فرداً جنگ ہوتی رہی۔ جس کو مبارزت طلبی کہا جاتا ہے۔ بڑے بڑے نامی گرامی سرداران بھی اس معرکہ کو سر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ یقینی طور پر اسلامی لشکر میں فکر اور تردد کا ہونا لازمی امر تھا۔ کیونکہ محاصرہ کا فی مدت تک جاری رکھنا کسی طور پر بھی سودمند ثابت نہیں ہوگا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو اللہ اور

کے رسول کا محبوب ہے۔ اور خیبر کی فتح اس کے ہاتھ سے مقدور ہے۔ ساری رات اہل اسلام اس بات کی تمنا کرتے رہے کہ کاش صبح انہی کا نام زبان نبی ﷺ سے جاری ہوا۔ ہر شخص اس بات کا متمنی تھا کہ کاش یہ فخر و شرف اسی کا مقدر بنے۔ مگر یہ دولت اس ذات گرامی کو ملی جنہیں خود بھی اس بات کی امید نہ تھی۔ وجہ یہ تھی کہ ان دنوں سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ آشوب چشم کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ ایسے میں تو جنگ لڑنا ہی محال تھا۔ کہاں فتح حاصل کرنے کا خیال۔

لیکن جب زبان حق پرست سے سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا نام نکلا تو تمام لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ سبھی جانتے تھے کہ سیدنا علیؓ تو آشوب چشم کے عارضہ میں پریشان ہیں۔ یہ کیوں کر ہوگا۔ مگر یہ ہوا اور یہ ہونا ہی تھا۔ کیونکہ یہ سرکار دو عالم ﷺ کا حکم تھا۔ کیا کوئی یہ خیال کر سکتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے آشوب چشم کا علم نبی کریم ﷺ کو نہ ہوا۔ یقیناً معلوم ہوگا مگر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ بوقت حضرت علیؓ کو طلب کر کے محض اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اور آنکھیں گویا کبھی خراب تھیں ہی نہیں۔

اب سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو علم عطا کیا گیا۔ حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا کہ یارسول اللہ! کیا میں لڑ کر ان کو مسلمان بنا لوں۔ تو جواب ملا کہ نہیں بلکہ پہلے ان کو اسلام پیش کرنا اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کرنا۔ پھر جنگ کی طرف آنا۔ یہ سالار لشکر کو ہدایات دی جا رہی ہیں۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود یہودیوں کی قسمت میں تو ذلت و رسوائی لکھی جا چکی تھی۔ بھلا پھر وہ اسلام کیونکر قبول کر سکتے تھے۔ اور ہوا بھی یہی۔ سرکار دو عالم ﷺ کے اس حکم کا یہودیوں پر مطلقاً کوئی اثر نہ ہوا۔

سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ علم لئے ہوئے میدان کارزار میں نکلے تو یہودیوں کا آزمودہ سردار رجب بھی نیزہ اچھالتا ہوا بڑی ترنگ میں نکلا اور اپنی بڑائی کو یوں ہانکنے لگا کہ تمام خیبر مجھ سے واقف ہے۔ میرا نام مرحب ہے۔ آلات حرب و ضرب میں شوکت رکھنے والا دلیر و تجربہ کار ہوں۔ جب کہ معرکہ میں بڑے بڑے شیر آتے ہیں تو میرا نام سن کر ہی ڈر جاتے ہیں۔ لاکھ وہ شعلے بھڑکاتے ہیں مگر آخر میں سرد ہو جاتے ہیں۔ اور میرے روبرو سے دور ہو جاتے ہیں۔ میں بادشاہ کا وزیر الوزرا ہوں اور سلطنت کا قوی بازو ہوں۔

میں ہمیشہ میدان جنگ میں سرخرو رہا ہوں۔ میرے خوف سے بڑے بڑے شہ زور کانپتے اور میرا نام سن کر لرز جاتے ہیں۔ میری تیغ جاں گست ہے۔ میرا خنجر دشمن گسار۔ میں کبھی نیزہ مارتا ہوں اور کبھی تلوار۔ اگر تمام زمانہ مغلوب ہو جائے تب بھی میں غالب رہوں گا۔ جنگ اور اہل نبرد کا طالب رہوں گا۔ میرے سامنے حریف خاک و خون میں لتھڑا ہوا ہے۔ کون زمانے میں مجھ سے لڑ سکتا ہے۔ آج میدان کار زار میرے ہاتھ ہے۔ فتح و ظفر میرے ساتھ ہے۔ ارے بھلا کون ہے جو میرے مقابلے پر آئے گا۔ اور جو بھی آئے گا اپنے ہی خون میں نہائے گا۔ مرحب کی اس شیخی خوری کو سن کر سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ یوں گویا ہوئے۔

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا۔ میں ہمیشہ بہادری کا درندہ شیر ہوں۔ میں دلیروں کا دلیر ہوں۔ میرے سامنے شیر کا بھی زہرہ آب ہے۔ میرا لقب ابوتراب ہے۔ میں نیزے کو سخت گاڑھتا ہوں۔ میں تلوار سے کافروں کی گردنیں اتارتا ہوں۔ میں ایک ضرب میں بڑے بڑے جری کو نیچا کر دکھاتا ہوں۔

میں فاجر و فاسق کو قعر جہنم میں بھجواتا ہوں۔"

اب حضرت علیؓ نے ایک بھرپور وار مرحب لعین پر کیا تو اس کی گردن کٹ کر دور جا گری۔ اور کچھ ہی دیر پہلے بڑی نخوت سے اپنی دلیری سے مرعوب کرنے والا بے جان خاک و خون میں لتھڑا پڑا تھا۔ یہودیوں کے سردار کے خاتمے کے ساتھ ہی فتح اہل اسلام کو مل گئی۔ اور خیبر کا قلعہ جس کو یہودیوں نے ناقابل تسخیر مشہور کر رکھا تھا۔ مسلمانوں کے قدموں تلے تھا۔ اور یہ کارنامہ سیدنا علی المرتضٰی کے نام سے امر ہو گیا۔

اس سے اگلے برس یعنی ۹ ھ میں اہل اسلام نے مکہ پر فوج کشی کا پروگرام بنایا۔ اور رسول اللہ ﷺ ۱۰ ہزار قدسیوں کے ساتھ فانی نہ خالی و جلال کے ساتھ مکہ کی جانب بڑھے۔ جہاں سے آپ ﷺ اور آپ کے رفقائے کرام نے بہ امر مجبوری آٹھ برس قبل ہجرت کر لی تھی۔

ایک علم حضرت سعدؓ بن عبادہ کے ہاتھوں میں تھا۔ اور وہ جوش میں یہ رجزیہ اشعار پڑھتے چلے جا رہے تھے۔

ترجمہ: یعنی آج شدید جنگ کا دن ہے۔ آج حرم میں خونریزی جائز ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا نہیں ایسا نہ کہو۔ بلکہ آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ علم حضرت سعدؓ بن عبادہ سے لیکر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کداء کی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے اور یوں مکہ بغیر کسی خونریزی کے تسخیر ہو گیا۔ اور اب وقت آیا کہ کعبۃ اللہ کو ان آلائشوں سے پاک کیا جائے جن کے لئے اسلام کا ظہور ہوا تھا۔ یعنی خانہ کعبہ کو ان 360 بتوں

ت پاک وصاف کر دیا جائے جن کی عبادت مشرکین کیا کرتے تھے ۔ مگر جن کی عبادت کے لئے کعبۃ اللہ کی تعمیر نہیں ہوئی تھی۔

سرکار دو عالم ﷺ نے بتوں کو گرانے کی ابتداء بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے فرمائی ۔ آپ ایک عصا سے بتوں کو گراتے جاتے تھے اور بلند آواز میں فرماتے جاتے تھے۔

"جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهو كا"

ترجمہ: حق آیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹ جانے کے لئے ہے۔

اب تطہیر کعبہ مکمل ہو رہی تھی کہ ایک بہت بڑا تانبے کا بت بھی موجود تھا جس کو لوہے کی سلاخ کے ساتھ استفادہ کیا گیا تھا ۔ یہ کافی بلند و بالا بت تھا۔ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ ﷺ کے شانوں پر کھڑے ہو کر اس بت کو پاش پاش کر ڈالا اور یوں خانہ کعبہ کی تطہیر کامل ہوئی۔

فتح مکہ کی تکمیل کے بعد جب سکون میسر ہوا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ کا کام از سر نو شروع کیا۔ اسی سلسلہ میں سیدنا خالد بن ولیدؓ کو تبلیغ اسلام کے لئے بنو حذیمہ کی طرف روانہ کیا۔ حضرت خالدؓ کی تبلیغ سے بنو حذیمہ نے اسلام قبول کر لیا مگر بدولت اور جہالت کی وجہ سے بجائے اس کے کہ اسلمنا کہنے لگے صبانا صبانا کہنے لگے یعنی ہم بے دین ہو گئے۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے یہ سن کر بہت سے لوگوں کو قتل کرا دیا۔ جب اس کی اطلاع مدینہ آئی تو رسول اللہ ﷺ نے درست حالات معلوم کرنے کے لئے

سیدنا علیؓ کو روانہ فرمایا۔ جنہوں نے وہاں پہنچ کر معاملات کا جائزہ لیا اور اس واقعہ کو ایک غلط فہمی قرار دیا۔ تمام قیدیوں کو رہا کر کے مقتولین کے ورثا کو خون بہا ادا کر دیا۔ یوں ایک بہت بڑا واقعہ تدبر علیؓ سے جلد ہی ختم ہو گیا۔

۹ ھ کا واقعہ ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب کہ مدینہ سے بھی مرد حضرات جنگ کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علیؓ کو اہل بیتؓ کی حفاظت کی خاطر مدینہ میں رکنے کا حکم دیا۔ حیدر کرار کو غزوہ میں شریک جہاد ہونے کا دکھ تو نہیں تھا کیونکہ جہاد سے افضل ترین یہ بات تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل ہی میں افضلیت تھی۔ مگر منافقین کی طعنہ زنی نے ملول خاطر کر ڈالا۔ ان واقعات کا علم جب رسول اللہ ﷺ کو ہوا تو سب لوگوں کے سامنے بلوایا اور فرمایا کہ۔

”اے علی! کیا تم پسند کرو گے کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا۔“

یہ تھی محبت علی! جو رسول اللہ ﷺ کے دل میں سیدنا امیر کی تھی۔ غزوہ تبوک کے بعد فوری طور پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا۔ مگر اسی دوران سورۃ برات نازل ہوئی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اگر یہ سورۃ ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لئے بھیجی جاتی تو نہایت اچھا ہوتا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اس کام کے لئے تو موزوں ترین شخص صرف اور صرف علیؓ ہی ہیں۔ چنانچہ سیدنا علیؓ کو حکم دیا گیا کہ فوری طور پر مکہ روانہ ہو جائیں اور مکہ جا کر اس سورۃ کو سنائیں۔ اور عام اعلان کریں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہیں۔

گا۔ اور اس سال کے بعد کوئی حج مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی بھی شخص برہنہ حالت میں طواف کعبہ کرے۔ اور جس کا رسول اللہ ﷺ سے کوئی عہد ہے تو وہ مدت معینہ تک باقی رہے گا۔

تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد دور دراز کے علاقوں میں جو مہمیں روانہ فرمائیں۔ ان میں سے ایک مہم حضرت خالد بن ولیدؓ کی سربراہی میں روانہ ہوئی۔ مگر چھ ماہ کی تبلیغ کے باوجود وہاں پر لوگوں کو قائل نہ کیا جا سکا۔ جب اس بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپ نے حضرت علیؓ کو اس مشکل کام کے لئے روانہ فرمایا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور فرما۔

حضرت علیؓ کے یمن میں پہنچنے کے قلیل عرصہ کے بعد لوگوں میں دین اسلام سے واقفیت کا شوق پیدا ہوا۔ اور جو کام حضرت خالدؓ بن ولید کی چھ ماہ کی کوششوں سے نہ ہو سکا تھا۔ وہ حضرت علیؓ نے محض چند دنوں میں کر ڈالا۔ اور یوں پورا قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔

یمن کی کامیاب مہم کے بعد جونہی سیدنا علیؓ مدینہ واپس آئے تو حج کا موقع تھا اور یہ حج رسول اللہ ﷺ کا آخری حج ثابت ہوا۔ حج کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آقائے نامدار نے پردہ فرما لیا۔ تو خلافت کا مسئلہ آن پڑا۔ مگر حضرت علیؓ کو یقینی طور پر خلافت سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین سے رغبت تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی آنکھیں کھولتے ہی جس ہستی کو دیکھا تھا اس سے جدائی کا مرحلہ درپیش تھا۔ پوری دنیا

اندھیر ہو چکی تھی ۔ اپنی حالت ہی کچھ کم خراب نہ تھی کہ ان حالات میں جگر گوشہ رسول کو دلاسہ دینا بھی حضرت علیؓ کے ذمہ تھا۔

اسی وجہ سے حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر صدیق کی چھ ماہ بیعت نہ کی اور حضرت فاطمۃ الزہرہ کی دل جوئی کی خاطر خانہ نشین ہو کر رہ گئے ۔ مگر تمام تر دلجوئی اور دلداری کے باوجود سیدہ النساء نے بھی اس جہاں سے منہ موڑ لیا ۔ خیر تمام پریشانیوں سے فراغت حاصل کرتے ہی سیدنا علی نے بیعت کر لی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قابل اعتماد مشیر بن گئے ۔

سوا دو برس کے بعد جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو ان کے بھی مشیر خاص سیدنا علیؓ تھے یہاں تک کہ جب حضرت عمر فاروقؓ بیت المقدس گئے تو اپنے قائم مقام کے طور پر تمام امور خلافت حضرت علیؓ کو ہی سونپ کر گئے تھے ۔

شہادت فاروق اعظم کے بعد عہد عثمان غنیؓ میں جب شورش برپا ہوئی تو حضرت علیؓ نے پوری طرح خلیفہ کا ساتھ دیا ۔ اور فتنوں کے تدارک کے لئے پورے خلوص کے ساتھ مشورے دیئے ۔ مگر حالات نے بہتری کا رخ اختیار نہ کیا اور آخرکار شورش پسند عناصر نے خلیفہ کو شہید کر دیا ۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین روز تک عالم اسلام بغیر خلیفہ کے ہی رہا ۔

تیسرے روز بصد اصرار حضرت علی المرتضٰی نے خلافت کی ذمہ داری قبول کی ۔ مگر خلافت کے امور سنبھالتے ہی سب سے بڑا کام تھا قاتلان عثمان کی سرکوبی ۔ اسی سلسلہ میں بعض لوگوں کے نام تو لئے جاتے ہیں مگر شہادت کی قانونی حیثیت سے کوئی بھی شخص مجرم ثابت نہ ہوا ۔ معاملہ بگڑتا چلا گیا ۔ اور ابتداء سے ہی خلافت میں

مشکلات میں گھر کر رہ گئی۔ جو فتنے حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں شروع ہوئے تھے ان میں کمی واقع نہ ہوئی۔ بلکہ اضافہ ہی ہوا۔ حضرت علیؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو لکھا کہ مہاجرین وانصار نے اتفاق رائے سے میری بیعت کر لی ہے۔ اس لئے یا تم میری اطاعت کرو یا پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے قاصد کے ہاتھ جواب روانہ کیا۔

قاصد آیا اور تیز وطراری سے گویا ہوا۔ کہ صاحبو میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خون آلود قمیض پر ان کی نظر میں ہی ان کی اوڑھنیاں آنسوؤں سے تر ہیں۔ اور انہوں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک اس خون ناحق کا قصاص نہ لے لیں ان کی تلواریں بے نیام رہیں گی۔

قاصد یہ کہہ چکا تو حضرت علیؓ کی جماعت سے خالد بن زفر عیسی نے اس کو کہا کہ تم مہاجرین وانصار کو شامیوں سے ڈراتے ہو۔ اللہ کی قسم نہ تو قمیض عثمان قمیض یوسف ہے اور نہ معاویہؓ کو یعقوب کی طرح غم ہے۔ اگر شام میں اس کو اس قدر اہمیت حاصل ہے تو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل عراق اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

انہی ایام میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ مکہ سے مدینہ آ رہی تھیں تو انہیں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنیؓ شہید کر دیئے گئے ہیں اور قاتلوں کا کچھ علم نہیں ہو رہا تو انہوں نے مکہ واپس جانا پسند کیا۔ اور قصاص کا مطالبہ کر دیا۔ اس سلسلہ میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ تاریخ اسلام پر بہت کڑا وقت آن پڑا تھا۔

واقعات کی ترتیب اور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بعض سیاسی تسامح نے عام طور پر ملک میں بدنظمی پیدا کر دی تھی۔ جن لوگوں کو قاتلان عثمان خیال جا رہا تھا

انہی لوگوں کو عمال مقرر کرنا اور حضرت عثمانؓ کے مقررہ کردہ تمام عمال کو برطرف کرنا بھی بدنظمی کی وجوہات میں شامل ہیں۔ انہی بدگمانیوں نے شدید ترین حالات پیدا کر دیئے۔ جن سے عہدہ براہ ہونا مشکل تھا۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان حالات میں عراق کا قصد کیا۔ کہ وہاں پہنچ کر بیت المال کی حفاظت کریں اور پھر اہل عراق کو وفاداری کا سبق دیں۔ انصار مدینہ کو جب اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت عقبہؓ بن عامر جو بدری صحابی تھے انصار کی جانب سے عرض کی کہ دارالخلافہ چھوڑ کر جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں مگر انہوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔

اگر اس وقت خالدؓ، ابوعبیدہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ نے شام و ایران کو تہہ و بالا کر ڈالا تھا۔ تو اس وقت بھی ایسے جانثاروں کی کمی نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا'' درست ہے! لیکن اس وقت عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دشواری پیش آئے گی وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نوآبادی ہے۔ وہاں کے بیت المال بھی مال وزر سے بھرے پڑے ہیں۔ اس لئے وہاں میرا موجود ہونا نہایت ضروری ہے۔ اور مدینہ میں عام منادی کرادی گئی کہ لوگ سفر عراق کے لئے تیار ہو جائیں۔ چند محتاط صحابہؓ کے سوا تقریباً سبھی اہل مدینہ ہمرکاب ہوئے۔ ذی قار پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر پہلے ہی بصرہ پہنچ چکے ہیں اور عام لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔

یہ سن کر حضرت علی ذی قار میں ٹھہر گئے اور امام حسن کو عمار بن یاسر کے ساتھ

کوفہ روانہ کیا۔ کہ لوگوں کو مرکز خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں۔ حضرت امام حسن جس وقت کوفہ پہنچے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری والی کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع سے خطاب کرر ہے تھے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے۔ اس لئے اب ہتھیار بے کار کردو۔ اور بالکل عزلت نشین ہو جاؤ۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ فتنہ وفساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔

اسی اثناء میں حضرت امام حسن مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو منبر سے ہٹا کر لوگوں کو امیر المومنین کی مساعدت پر آمادہ کیا۔ حجر بن عدی کندی جو کہ کوفہ کے بزرگ ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ امام حسن کی تائید کی۔ اور کہا کہ صاحبو! امیر المومنین نے خود اپنے صاحبزادے کو بھیج کر تمہیں دعوت دی ہے اس دعوت کو قبول کرلو۔ اور علم حیدری کے نیچے جمع ہو کر فتنہ وفساد کو آگ سرد کردو۔

اس کے بعد کوفہ سے دس ہزار کے قریب جانثاروں کی فوج حضرت امام حسن کے ساتھ روانہ ہوئی اور مقام ذی قار پہنچ کر حضرت علیؓ کے پاس پہنچ گئی۔

اب حضرت علیؓ نے پوری تیاری کے ساتھ بصرہ کا رخ کیا۔ جو کہ تین حصوں میں بٹ چکا تھا۔ ایک تو مکمل طور پر غیر جانب دار گروہ تھا دوسرہ گروہ حضرت علیؓ کا حمایتی اور تیسرا قصاص لینے کا طلبگار تھا جن کے سربراہ طلحہ وزبیرؓ تھے۔ خانہ جنگی کی اس کیفیت میں حضرت عائشہ اور حضرت علی دونوں جنگ سے درگزر کرنا چاہتے تھے۔ مگر دونوں کے ساتھیوں میں شرپسند عناصر یہ نہیں چاہتے تھے۔ حضرت علی کے ساتھیوں میں سبائی انجمنی کے لوگ اور حضرت عائشہؓ کے ساتھیوں میں کچھ اموی شامل تھے۔

جن کو امن وامان کسی صورت میں قبول نہ تھا۔

حضرت عثمانؓ کے قاتل اور سبائی یہ خیال کرنے لگے کہ کہیں مصالحت کی صورت نہ نکل آئے انہوں نے رات کو حضرت عائشہ کی فوج پر شب خون مارا۔ گھبراہٹ میں شدید ترین جنگ شروع ہوگئی۔ اور ہزاروں اہل اسلام محض غلط فہمی کی بنیاد پر آپس ہی میں ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوگئے۔

حضرت عائشہؓ اس جنگ میں اونٹ پر سوار تھی اس لئے اس جنگ کو جنگ جمل کہا جاتا ہے۔ جنگ کی ابتداء ہوچکی تھی۔ اور دشمنان اسلام کامیاب ہوچکے تھے۔ آخرکار جنگ کا فیصلہ حضرت علیؓ کے حق میں ہوا۔ اور حضرت عائشہ کو حضرت علی نے حفاظت سے مدینہ روانہ کردیا۔

بصرہ میں چند یوم قیام فرما کر حضرت علیؓ عازم کوفہ ہوئے اور ۱۲ رجب ۳۶ھ کے روز کوفہ میں داخل ہوئے۔ اہل کوفہ نے شاندار استقبال کیا اور قصر امارت میں مہمان نوازی کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر زہد وقناعت کی زندہ نشانی نے اس میں ٹھہرنا گوارا نہ کیا اور فرمایا کہ" عمرؓ بن خطاب نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ مجھے بھی اس کی حاجت نہیں۔ میدان میرے لئے بس کافی ہے۔ چنانچہ میدان میں قیام فرمایا۔ اور مسجد اعظم میں داخل ہوکر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ جمعہ کے خطبہ میں لوگوں کو اتقا اور پرہیزگاری اور وفا شعاری کی تلقین فرمائی۔

جنگ جمل کے اندوہناک واقعات کے بعد سیدنا علی المرتضیٰ نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ اور یوں عالم اسلام کا دارالحکومت مدینہ سے عراق منتقل ہوگیا۔ میرے خیال میں سیدنا علی المرتضیٰ نے ان واقعات کو بہت شدت

سے محسوس کیا جو حضرت عثمان غنی کو پیش آئے اور جن کی وجہ سے مدینہ طیبہ کا تقدس پا مال ہوا۔ لوگوں کے دلوں میں مدینہ طیبہ کی عزت کم ہوتی دیکھ کر سیدنا علی المرتضیٰ نے یہی خیال فرمایا ہوگا کہ حکومت کے امور کو مدینہ الرسول سے دور رکھا جائے۔ تاکہ اگر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش بھی آئے تو اس سے حرم نبوی محفوظ رہے۔ جس کی ایک جھلک ہمیں اس وقت بھی نظر آتی ہے۔ کہ جب عبداللہؓ بن زبیرؓ نے خانہ کعبہ میں رہ کر حجاج بن یوسف سے جنگ کی۔ اس جنگ میں یقینی طور پر بیت اللہ کی حرمت پر آنچ آئی اور خانہ کعبہ کو کافی حد نقصان پہنچا۔

میرے خیال میں انہی خدشات کو محسوس کرتے ہوئے جناب علیؓ نے بڑی جرات اور دانش مندی سے یہ فیصلہ کیا ہوگا۔ ورنہ حرم نبوی سے دوری یقینی طور پر حضرت علی کو بھی برداشت نہ ہوگی۔ کس صبر و تحمل سے انہوں نے کوفہ میں رہنا گوارا کیا ہوگا۔ مکہ اور مدینہ طیبہ سے دور رہنا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ مگر بعض اوقات بزرگوں کی فہم و بصیرت وہ کچھ قبل از وقت دیکھتی ہے جس کا احساس عام آدمی نہیں کرسکتا۔ دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ کوفہ اور بصرہ میں حضرت علیؓ کے طرف دار ایک بڑی تعداد میں موجود تھے۔ حالانکہ سیدنا علی المرتضیٰ نے مدینہ طیبہ کو سیاسی فتنہ اور شہر سے بچانے کے لئے ہی عراق کو منتخب فرمایا تھا۔ مگر اس کا مفید نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ اس طرح مدینہ کی سیاسی اہمیت ختم ہوگئی۔ اور خود حضرت علی مرکز اسلام سے دور ہو کر رہ گئے۔

جب کہ ان مخالفین کے لئے مکہ اور مدینہ کھلے مقامات بن گئے جن کے مضر اثرات سے حضرت علی بچ نہ سکے۔ کیونکہ مذہبی مرکز تو بہر حال مدینہ ہی تھا۔ اور لوگوں کا ہجوم وہاں رہتا ہی تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت علی کے مخالفین نے ان کے خلاف محاذ

کھو لے رکھا۔ اور صحیح معنوں میں حضرت علی اس کا تدارک نہ کر سکے۔ جس کی وجہ سے آپؓ کو سیاسی طور پر نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ایک طویل بحث ہے اور میرے خیال میں اس کا یہ محل بھی نہیں ہے۔

قصہ مختصر حضرت علیؓ کو شامیوں نے سکون سے امور خلافت چلانے نہیں دیئے اور مسلسل روکاوٹیں ڈالتے رہے۔ جن میں سب سے آگے حضرت امیر معاویہؓ تھے۔ حضرت علیؓ نے باوجود یکہ معلوم تھا کہ وہ اطاعت نہ کریں گے ایک مرتبہ پھر صلح کی دعوت دی اور اس کام کے لئے جریر بن عبداللہ کو روانہ فرمایا۔ جریر ایسے وقت میں حضرت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے جب ان کے ارد گرد روٗسائے شام موجود تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے نامہ علی لیکر پہلے خود پڑھا اور پھر اونچی آواز میں پڑھ کر تمام لوگوں کو سنایا۔ یہ لکھا تھا۔

"تم اور تمہارے زیر اثر جس قدر مسلمان ہیں ان سب پر میری اطاعت اور بیعت لازم ہے۔ کیونکہ مہاجرین و انصار نے اتفاق عام سے منصب خلافت کے لئے منتخب کیا ہے۔ ابو بکرؓ، عمرؓ و عثمانؓ کو بھی انہی لوگوں نے منتخب کیا تھا۔ اس لئے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کرے گا وہ جبراً اطاعت پر مجبور کیا جائے گا۔ پس تم مہاجرین و انصار کا اتباع کرو۔ یہی سب سے بہتر طریقہ ہے۔ ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

تم نے عثمانؓ کو شہادت کو اپنی مقصد برآری کے لئے استعمال کیا ہے۔ اگر تم عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے

میری اطاعت قبول کرو۔ اس کے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو۔ میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا۔ ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ محض دھوکہ اور فریب ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ بیس بائیس برس سے شام کے والی تھے اور وہاں ان کا اثر کافی حد تک تھا۔ اور پھر شہادت عثمان کی وجہ سے بھی لوگ ان کے طرفدار بن چکے تھے۔ کیونکہ دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیرہن اور سیدہ نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کی جاتی تھی۔ ان حالات میں عام مسلمانوں میں شہادت عثمان کا غم تازہ ہو جاتا تھا۔

بحرحال حضرت علیؓ کے خط کے جواب میں حضرت امیر معاویہؓ نے جواب لکھوایا اور ابو مسلم کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ دربار خلافت میں خط پیش کرنے کے بعد نجی طور پر گزارش کی کہ اگر قاتلان عثمانؓ کو ہمارے حوالے کر دیا جائے تو ہم اور تمام اہل شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ کہ فضل و کمال کے لحاظ سے آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں۔

سیدنا علیؓ نے دوسرے روز جواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ ابو مسلم دوسرے روز حاضر ہوئے تو وہاں کم و بیش دس ہزار کا جم غفیر موجود تھا۔ ابو مسلم کو دیکھ کر یک آواز ہو کر سب لوگ بولے "ہم سب قاتلان عثمان ہیں" ابو مسلم نے حیران ہو کر امیر المومنین کی طرف دیکھا اور عرض کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سب نے باہم سازش کر لی ہے۔ حضرت علی نے فرمایا "تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمانؓ کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار

اس کے بعد ایک مرتبہ پھر حضرت امیر معاویہؓ کو اسی ہزار فوج کے ساتھ شام کا رخ کرنا پڑا۔ جہاں جنگ صفین لڑی گئی اور دونوں جانب سے مسلمان ہی قتل ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ شروع کرنے سے پہلے ایک مرتبہ مصالحت کی کوشش کی اور بشر بن عمرو بن محض انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیج کر مصالحت کی کوشش فرمائی۔ مگر اس کوشش میں کامیابی نہ ہوئی۔

افسوس دونوں جانب علماء، فضلاء اور حفاظ قرآن کی ایک معقول تعداد موجود تھی۔ جو دل سے مصالحت چاہتی تھی۔ انہوں نے دونوں جانب سے تین ماہ تک جنگ کو ٹالے رکھا۔ اور اس عرصہ میں مصالحت کی کوشش جاری رہی۔ اس اثنا میں بارہا جنگ کی نوبت آئی مگر کسی نہ کسی طرح بیچ بچاؤ کرادیا جاتا رہا۔ اور آخر ایک روز جنگ چھڑ گئی۔

پورے مہینے جنگ جاری رہی مگر جیسے ہی رجب کا چاند طلاع ہوا۔ اشہر حرم کی عظمت کے خیال سے دونوں جانب سے جنگ روک دی گئی۔ اس موقع سے خیر خواہاں امت نے ایک مرتبہ پھر مصالحت کی کوشش شروع کیں مگر کسی طرح کامیابی نہ ہوئی آخر محرم کے بعد پھر جنگ شروع ہوئی۔ اور بڑی خونریز جنگ شروع چند دنوں تک یہ خوفناک جنگ جاری رہی۔ جس کی مثال تاریخ اسلام میں نہیں ملتی۔ جمعۃ المبارک کو بہت ہی خوفناک لڑائی ہوئی۔ دوسری صبح مقتولین اور مجروحین کو اٹھانے کے لیے جنگ ملتوی کر دی گئی۔

دوسری صبح جب جنگ کا آغاز ہونا تھا تو شامی فوج نے قرآن پاک کو نیزوں پر باندھ کر آگے آگے لے آئے۔ عام مسلمان شامیوں کی چال میں آ گئے اور حضرت علیؓ کو مجبوراً جنگ روکنا پڑی۔ افسوس کہ دونوں جانب ہی حاملان قرآن تھے مگر ان کو

دشمنان قرآن گھیرے ہوئے تھے۔ اس جنگ کا انجام بھی انتہائی افسوس ناک ہوا اور قطعی طور پر ایک لا حاصل جنگ تھی۔ جس میں دشمنان اسلام ہی کو کامیابی حاصل ہوئی۔ جس کا افسوس ماسوائے حضرت علیؓ کے اور کس کو ہوا ہوگا۔

اس جنگ کے نتیجہ کے طور پر ایک اور افسوناک واقعہ ہوا کہ فتنہ خوارج پیدا ہوا۔ خارجیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ معاملات دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے۔ خارجیوں نے مسلمانوں کو بیدردی سے قتل کرنا شروع کر دیا۔ سیدنا علیؓ ان دنوں دوبارہ شام پر فیصلہ کن حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے ان واقعات کی اطلاع ملی اور ارادہ ملتوی کیا اور خارجیوں کی تنبیہ کی خاطر نہروان کا رخ کیا۔

نہروان پہنچ کر حضرت ابوایوب انصاری اور قیس بن سعد بن عبادہ کو خارجیوں کے پاس روانہ کیا۔ کہ وہ بحث و مباحثہ کر کے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کریں۔ جب ان دونوں کو ناکامی ہوئی تو خارجیوں کے ایک سردار بن الکوا کو بلوا کر خود ہر طرح سمجھایا مگر ان کے تو دل ہی مردہ ہو چکے تھے۔ اس لئے رشد و ہدایت کے تمام حربے ناکام ہوئے اور سیدنا علیؓ نے مجبور ہو کر فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ خارجیوں میں ایک جماعت جنگ سے گریزاں تھی۔ اس لئے تقریباً 500 افراد عین جنگ کے موقع پر جنگ سے علیحدگی اختیار کی اور کوفہ کی راہ لی۔ اور ایک ہزار افراد نے حضرت علی کی اطاعت قبول کر لی۔ باقی میدان جنگ میں قتل ہو گئے۔

معرکہ نہروان سے فراغت حاصل کرتے ہی امیر المومنین علی المرتضیٰؓ نے شام کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ مگر ان کے قریبی ساتھی اشعث بن قیس نے عرض کیا۔

''یا امیر المومنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں۔ تلواروں کی دھاریں مڑ

گئی ہیں، نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں اس لئے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب وسامان درست کر لینا چاہیے۔''

سیدنا امیرؓ نے اشعت کی رائے کے مطابق نخیلہ میں پڑاؤ کر کے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا۔ مگر بھرپور تیاری دکھائی نہ دی۔ فوج کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر سیدنا علیؓ نے واپس کوفہ جانا مناسب خیال فرمایا۔ اسی اثناء میں مصر میں بھی حضرت علیؓ کے مخالفین نے غلبہ حاصل کر لیا اور والیٔ مصر محمد بن ابوبکر کو شہید کر دیا گیا۔ یہ ایک خاصہ طویل واقعہ ہے۔ مگر یہ واقعہ اور ان صفحات پر مکمل بحث وتفصیل ممکن نہیں۔ اس لئے چند حروف میں لکھ رہا ہوں۔

۳۸ء میں امیر معاویہؓ کے نمائندہ عبداللہ بن حضرمی نے بصرہ پہنچ کر امیر معاویہؓ کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کر لیا۔ اور بصرہ میں حضرت علی کے مخالفین کو کامیابی حاصل ہوئی۔ جب بارگاہ خلافت میں یہ اطلاع پہنچی تو امیر المومنین نے عین بن ضبیعہ کو ابن حضرمی کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا مگر ابھی ان کو کسی قسم کی کامیابی نہیں ہوئی تھی کہ ان کو اچانک شہید کر دیا گیا۔

عین بن ضبیعہ کے بعد دربار خلافت سے جاریہ بن قدامہ کو ابن حضرمی کی سرکوبی کے روانہ کیا گیا۔ جنہوں نے بصرہ پہنچ کر کامیابی حاصل کی اور تمام اہل بصرہ کو نہایت تدبر سے اطاعت امیر کے لئے آمادہ خاطر کیا۔ مگر گاہے بگاہے بغاوتوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ جن کو فرو کرنے ہی میں سیدنا امیر المومنین کی کافی قوت صرف ہوتی رہی۔ اور واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اندرونی شورشوں اور خانہ جنگی کی صورت حال سے نبرد آزما ہونے کی وجہ سے اسلام کی فتوحات کا دائرہ آگے نہ بڑھ سکا۔

ورنہ اگر حضرت علی کو کچھ عرصہ امن وسکون سے حکومت کا موقع مل جاتا تو یقینی طور پر پوری دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ مگر یہود و نصاریٰ کے ایجنٹوں نے اہل اسلام میں داخل ہو کر ان کو سکون میسر ہی نہیں ہونے دیا۔

ان حالات سے عہدہ برآ ہونے میں سیدنا امیر مصروف عمل رہے۔ یہاں تک کہ ایک خارجی لعین نے آپ کو شہید کر دیا۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ واقعہ ہروان کے بعد چند خارجیوں نے بموقع حج ایک منصوبہ بنایا کہ جب تک تین اشخاص علیؓ المرتضیٰ، امیر معاویہ اور عمرو بن العاص صفحہ ہستی پر موجود ہیں۔ دنیائے اسلام کو خانہ جنگی سے نجات نہیں مل سکتی۔ چنانچہ ان کو قتل کر دینا چاہیے اس منصوبے کے لئے تین خارجیوں کو مقرر کر دیا گیا۔ عبدالرحمٰن بن ملجم کو قتل علیؓ کے لئے مقرر کیا گیا۔ نزال کو امیر معاویہؓ اور عبداللہ کو عمرو بن العاصیؓ کے قتل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔

منصوبہ یہ تھا کہ ۴۰ھ میں ایک ہی روز ایک ہی وقت تینوں بزرگوں کو قتل کیا جائے۔ تاکہ ایک کے قتل سے دوسرے فائدہ حاصل نہ کر سکیں۔ اب اس کو اتفاق ہی خیال کرنا پڑے گا کہ امیر معاویہ اور عمرو بن العاصؓ اتفاقی طور پر قاتلانہ حملوں سے بچ گئے۔ امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا۔ جب کہ عمرو بن العاصؓ اس دن مسجد میں امامت کے لئے نہیں آئے تھے۔ اس لئے ان کے قائم مقام کو ان کے دھوکہ میں قتل کر دیا گیا۔

اور افسوس صد افسوس کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کو ابن ملجم نے دوران نماز شہید کر دیا۔

خلافت علی المرتضیٰ کا ایک سرسری جائزہ

شہادت عثمان غنیؓ کے بعد جب حضرت علی متمکن خلافت ہوئے تو اصل

میں اہل اسلام اس وقت سخت پریشان حال تھے۔شہادت عثمانؓ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔اس ایک واقعہ نے مسلمانوں کو سخت مشتعل کردیا اور وہ لوگ بھی جو خلافت عثمانیؓ کے طرز حکومت کو ناپسند کرتے تھے ان لوگوں نے بھی شورش پسندوں کو اس ظالمانہ قدم کو سخت نفرت سے دیکھا۔اور اکثر لوگ قصاص کے مطابقہ پر ڈٹ گئے۔

ان حالات کے بعد اہل اسلام تین حصوں میں منقسم ہو گئے۔

شیعان عثمان غنیؓ جو اعلانیہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے مخالف اور اپنی اپنی مستقل سلطنت قائم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

یہ اکابر صحابہ کرام تھے۔جو اگرچہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو برحق سمجھتے تھے۔مگر اپنے ورع اور تقوی کے باعث مسلمانوں کو باہم خانہ جنگی میں شرکت کو پسند نہیں کرتے تھے۔چنانچہ جب سیدنا علیؓ نے مدینہ سے کوفہ کا قصد فرمایا تو صحابہ کرامؓ کو ساتھ چلنے پر آمادہ کیا۔مگر بہت سے محتاط صحابہ نے کچھ اس طرح معذرت کی۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

یا امیر المومنین مجھے ایسی تلوار دے دیجئے۔جو مسلمانوں کے بعد کافروں میں امتیاز رکھے میں صرف اسی صورت میں جانبازی کے لئے حاضر ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ

اللہ کے لئے مجھے ایک ناپسندیدہ فعل کے لئے مجبور نہ کریں۔میں مسلمانوں سے قتال کس طرح کرسکتا ہوں۔

حضرت محمد ابن مسلمہؓ

یا امیر المومنین! قبل اس کے کہ میری تلوار کسی مسلم کا خون گرائے میں اس کو اس زور سے جبل احد پر دے ماروں گا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

حضرت اسامہؓ بن زیدؓ

یا امیر المومنین! مجھے معاف کیجئے گا۔ میں نے عہد کیا ہے کہ کسی کلمہ گو کے خون سے اپنی تلوار کو رنگین نہیں کروں گا۔

غرضیکہ اسی طرح یہ گروہ تو عملی اعانت سے قطعی طور پر کنارہ کش ہو گیا۔

شیعان علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، ان میں بڑی تعداد میں وہ لوگ شامل تھے جو صدق دل سے حضرت علیؓ کے جانثار تھے۔ مگر ان میں ایک معقول تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو یا تو خود محاصرہ عثمان غنیؓ میں شریک تھے پھر ان کے زیر اثر تھے چنانچہ ان لوگوں سے حضرت علیؓ خوامخواہ بے رخی کر کے اس بڑی جماعت کو جان بوجھ کر اپنا مخالف نہیں بنا سکتے تھے۔

مگر حضرت علی المرتضیٰؓ نے آنکھیں بند کر کے ان لوگوں کو اپنا مقرب نہیں بنایا بلکہ جو حقیقی معنوں میں اس کے اہل نہیں تھے انہی کو تقرب بخشا۔ حضرت عمار بن یاسرؓ ایک نہایت بلند رتبہ صحابی رسول مقبول ﷺ تھے۔ محمد بن ابوبکر خلیفہ اول کے بیٹے اور آغوش مرتضیٰ کے تربیت یافتہ تھے۔ اسی طرح اشترنخعی ایک مرد صالح، نیک سیرت اور جان نثار تابعی تھے۔

مگر افسوس کہ معاملات نے صحیح رخ اختیار نہ کیا اور حالات بگڑتے چلے گئے۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو خلافت ابوبکر صدیقؓ کو ابتداء بھی بڑی پر آشوب تھی مگر

اس وقت مقابلہ کفار سے تھا۔ اور تمام مسلمان متحد تھے۔ جب کہ اس وقت مسلمانوں ہی میں مقابلہ تھا۔ کل صحابہ ان کے یعنی ابوبکر صدیقؓ کے معاونین مددگار تھے۔ مگر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے مخالفین کفار نہ تھے۔ بلکہ مسلمان تھے۔ اور ان میں صحابہ بھی شامل تھے۔ یعنی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر بن العوام جو دونوں عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں اور سب سے بڑے مخالف حضرت امیر معاویہؓ تھے۔ اور پھر حضرت عمرو بن العاص بھی نظر آتے تھے۔ جو فاتح مصر اور باتدبیر سیاست دان تھے۔

الغرض ان تمام مشکلات و مجبوریوں کے باوجود حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے غیر معمولی ہمت و استقلال اور عدیم النظیر عزم وثبات کے ساتھ آخری لمحہ حیات تک ان مصائب کا مقابلہ کر کے دنیا کے سامنے تحمل و سلامت روی کی نظیر پیش کی اور اپنی جان اسلام کے لئے وقف رکھی۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کوشش تھی کہ انتظام مملکت میں حضرت عمر فاروقؓ کی تقلید کی جائے۔ آپ اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ نجران کے یہود نے جن کو فاروق اعظمؓ نے حجاز سے جلاوطن کر کے نجران میں آباد فرمایا تھا نے نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں واپس آباد ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ ''عمرؓ سے زیادہ کون صحیح الرائے ہو سکتا ہے۔''

اسی طرح ملکی نظم و نسق کے سلسلہ میں جب کسی کو عامل مقرر فرماتے تو اس کو نہایت مفید اور گراں بہاں نصائح فرمایا کرتے اور حکام کی تحقیقات سے بھی غافل نہ رہتے۔ گاہے بگاہے ان کے متعلق چھان بین فرماتے رہتے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا وجود عام رعایا کے لئے گویا سایہ رحمت تھا۔ بیت المال کے دروازے غربا کے لئے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔

اسلام کے علوم و معارف کا اصل سرچشمہ کلام اللہ شریف ہے۔ حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ اس سرچشمہ سے پوری طرح سیراب تھے اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں شامل تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی پورا کلام اللہ شریف حفظ کرلیا تھا۔ حضرت علی کلام اللہ شریف کے مفسرین کے بلند ترین درجہ پر فائز ہیں۔

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد کتنے دنوں تک پاؤں پر مسح کر سکتے ہیں۔ فرمایا علی رضی اللہ عنہ سے جا کر دریافت کرو۔ ان کو معلوم ہوگا۔ کیونکہ وہ سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضٰی سے پوچھا گیا تو آپ نے بتایا کہ مسافر تین دن اور تین رات تک اور مقیم ایک دن اور ایک رات تک۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ آپ ﷺ کے پاس ایک مقدمہ لایا گیا ہوا یوں کہ دو مسافر دوران سفر جب کھانا کھانے بیٹھے تو ایک کے پاس تین روٹیاں جب کہ دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھی۔ ابھی کھانا شروع نہیں کیا تھا کہ ایک اور مسافر بھی آ گیا۔ ان دونوں نے اس کو شامل طعام کریں۔ کھانا کھا چکنے کے بعد اس تیسرے مسافر نے اپنے حصہ کی روٹیوں کے 8 درہم ان کو دیئے اور آگے بڑھ گیا۔ جس شخص کی روٹیاں پانچ تھیں اس نے سیدھا حساب کیا کہ اس کو پانچ روٹیوں کی قیمت پانچ درہم دی جائے۔ مگر تین روٹیوں والا نصف کا مطالبہ کرنے لگا۔ اور آخر یہ معاملہ دربار خلافت تک آن پہنچا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے تین روٹیوں والے کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا رفیق جو فیصلہ کر رہا ہے اس کو قبول کرلو۔ اس میں زیادہ تمہارا ہی فائدہ ہے مگر اس نے کہا کہ حق کے ساتھ جو فیصلہ ہو وہ مجھے منظور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تبسم فرمایا اور گویا ہوئے کہ حق تو پھر یہ ہے کہ تم کو صرف ایک درہم اور تمہارے رفیق کو سات درہم ملنے چاہیں۔ اس عجیب وغریب

فیصلہ سے بھی حیران وششدر رہ گئے اور پوچھنے لگے آخر یہ کس طرح ہوسکتا ہے۔

آپ نے وضاحت کچھ اس طرح فرمائی کہ تم تین آدمی تھے۔ تمہاری تین روٹیاں تھی۔ اور تمہارے رفیق کی پانچ۔ تم دونوں نے برابر کھائیں۔ اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا۔ تمہاری تین روٹیوں کے اگر تین حصے کئے جائیں تو 9 حصے ہوئے تم اپنے 9 حصوں اور اس کے 15 حصوں کو جمع کرو تو یہ ہوئے ۲۴ ٹکڑوں میں سے ۸ تو خود کھائے اور ایک ٹکڑا اس تیسرے کو کھلایا۔ اور تمہارے رفیق نے اپنے ۱۵ ٹکڑوں میں سے ۸ خود کھائے اور ۷ تیسرے کو کھلائے اس لئے اب آٹھ درہم میں سے ایک کے تم اور ۷ درہم کا حقدار تمہارا رفیق ہے۔

کبھی کبھار اگر کوئی لغو قسم کا مقدمہ بھی اگر پیش کیا جاتا تو آپ ناراضگی کا اظہار نہ فرماتے بلکہ نہایت زندہ دلی کا ثبوت دیتے۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک مقدمہ پیش ہوا۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کو یہ کہہ کر پیش کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میری ماں کی آبروریزی کی ہے۔ کوئی اور ہوتا تو مقدمہ پیش کرنے والے کو ہی سخت سزا دیتا۔ مگر سیدنا علی نے کیا خوب فیصلہ کیا۔ کہ دوسرے شخص کو دھوپ میں کھڑا کر کے اس کے سایہ کو ۱۰۰ کوڑے مارنے کا حکم جاری کیا۔

سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ پر سردی اور گرمی کا کچھ اثر نہیں ہوتا تھا کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے غزوہ خیبر میں آپ ﷺ کے لئے دعا فرمائی تھی۔

اللهم اذهب عنه الحرو البرد

یعنی اے اللہ اس سے گرمی اور سردی کو دور کر دے۔

اس دعائے نبوی کا یہ اثر تھا کہ حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ گرمیوں میں سردیوں کا لباس اور سردیوں میں گرمیوں کا لباس فخریہ زیب تن فرماتے تھے۔ اور ان کو اس سے کسی قسم کی کوئی تکالیف بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ رضی اللہ عنہم ورضوعنہ

ہماری شائع کردہ دیدہ زیب کتب

تعظیم مصطفیٰ ﷺ
مؤلف پیر سید ارتضیٰ علی کرمانی

احوال مقدسہ
مؤلف: قاضی ظہور احمد اختر

فیوض الشیخین
مؤلف: مولانا محمد مقصود احمد چشتی

تحقیق طلاق
مؤلف: علامہ مولانا صدیق ہزاروی

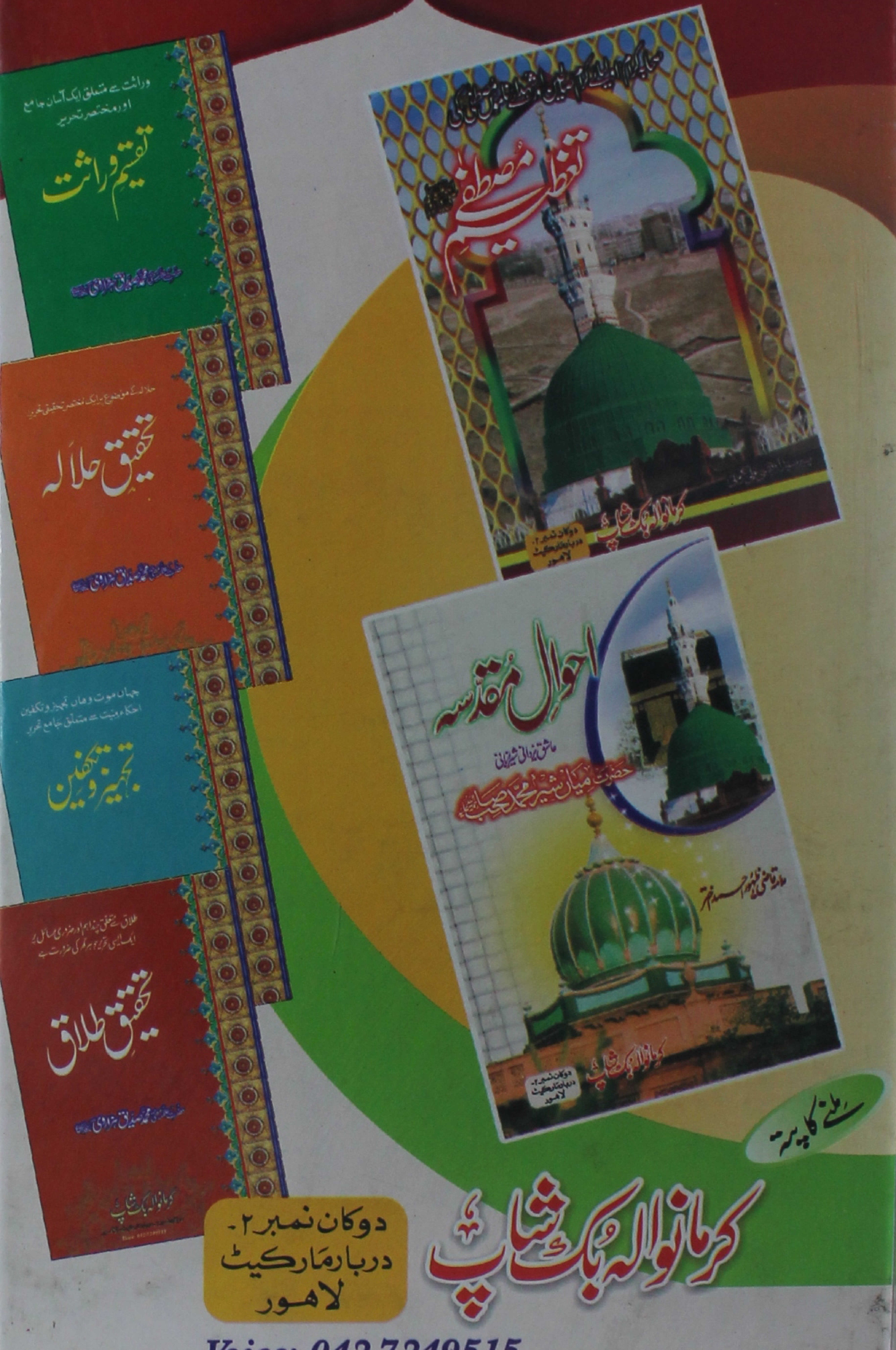
تقسیم وراثت
مؤلف: علامہ مولانا صدیق ہزاروی

تجہیز و تکفین
مؤلف: علامہ مولانا صدیق ہزاروی

تحقیق حلالہ
مؤلف: علامہ مولانا صدیق ہزاروی

مسلک حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
مؤلف مولانا محمد مقصود احمد چشتی

کرمانوالہ بک شاپ
دوکان نمبر ۲، دربار مارکیٹ لاہور
Ph 7249515


وراثت سے متعلق ایک آسان جامع اور مختصر تحریر
تقسیم وراثت
تحقیق حلالہ
تجہیز و تکفین
تحقیق طلاق
تعظیم مصطفیٰ
احوال مقدسہ
حضرت میاں شیر محمد صاحب
ملنے کا پتہ
کرمانوالہ بک شاپ
دوکان نمبر ۲۔
دربار مارکیٹ
لاھور